فروری ۱۹۹۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

• مسئلہ ملکیتِ زمین • خلافت، ملوکیت او...
جاگیرداری (تفکر و تدبر ـــــ ڈاکٹر اسرار احمد
• روزہ اور دعا ـــــ ایک فکر انگیز خطاب

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا“

(البقرہ: ۱۸۵)

گویا [illegible]یم کے ساتھ ذہنی اور قلبی تعلق کی تجدید کا مہینہ ہے!

اِنْ شاءَ اللہ العزیز ——— اس سال

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں

نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کے فرائض

ڈاکٹر اِسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور، خود ادا کریں گے

محدود تعداد میں بیرونی حضرات کے لیے بھی بندوبست ہوگا۔

خواہشمند حضرات فوراً رابطہ فرمائیں

ناظم اعلیٰ، مرکزی انجمن خدّام القرآن، ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاھور

(فون: 856003)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۳
شمارہ: ۲
شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
فروری ۱۹۹۳ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر: ۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
متحدہ عرب امارات اور بھارت
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔ ۱۶ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔ ۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر ۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ روزہ اور دعا ——— ۵

امیر تنظیم اسلامی کا ایک فکر انگیز خطاب

☆ تفکر و تدبر ——— ۲۱

○ مسئلہ ملکیت زمین

○ خلافت، ملوکیت اور جاگیرداری

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ افکار و آراء ——— ۴۳

در تاب مشوجاناں.....

مختار حسین فاروقی

☆ رفتار کار ——— ۴۵

تنظیم اسلامی کے تحت دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

☆ آنحضورؐ بحیثیت پیغمبر انقلاب (۲) ——— ۴۹

محبوب الحق عاجز

The Role of Judiciary and the Objectives Resolution (II)

By Sardar Sher Alam

○ ○ ○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

نیکیوں کے موسم بہار' ماہ رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔" یہ سرچشمۂ ایمان اور منبعِ یقین' قرآن حکیم کے ساتھ تجدیدِ تعلق کا مہینہ ہے۔ روزے کی عبادت کو اس ماہ کے ساتھ مخصوص کرکے اضافی افادیت کا سامان کیا گیا ہے کہ دن کے روزے کے بعد رات کا قیام — محض قیام نہیں 'قیام بالقرآن — اپنی تاثیر اور افادے کے اعتبار سے بے مثل ہے۔ روزہ کے ذریعے روح انسانی پر سے مادی وجود کی گرفت ڈھیلی پڑتی ہے اور پھر رات کو قرآن کے ساتھ قیام پیاسی روح کی سیرابی کا کام کرتا ہے۔ روح انسانی پر قرآن حکیم کا یہ "نزول" بے بہا خیر و برکت کا باعث بنتا ہے۔ ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

یہی وجہ ہے کہ روزہ اور رمضان کی عظمت سے متعلق متعدد احادیث میں روزہ اور قرآن کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور دن کے روزے کے ساتھ ہی رات کے قیام کا بھی باہتمام ذکر ہے۔ ان میں سے ایک حدیث تو واقعہ یاد کرنے کے لائق ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال: الصیام والقران یشفعان للعبد یقول الصیام: ای رب انی منعتہ الطعام والشھوات بالنھار فشفعنی فیہ' ویقول القراٰن: منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ فیشفعان۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور کھڑے ہو کر قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے اس بندے کو دن میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا' خداوندا آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول کی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا۔)

ماہ رمضان کی برکتوں اور سعادتوں سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے اور قرآن کے نور سے بیش از بیش استفادے کی خاطر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے آج سے دس سال قبل قرآن اکیڈمی لاہور میں نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کا آغاز کیا تھا۔ ماہ رمضان کی راتوں کو زیادہ سے زیادہ

کرنے کا یہ پروگرام' بحمد اللہ' نہایت مفید ثابت ہوا۔ اس کے بعد کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں امیر محترم نے ماہ رمضان میں دورۂ ترجمۂ قرآن نہ کیا ہو۔ قرآن اکیڈمی لاہور کے علاوہ قرآن اکیڈمی کراچی' قرآن اکیڈمی ملتان یہاں تک کہ ابو ظبی میں بھی امیر تنظیم کے دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہو چکے ہیں۔ قرآن اکیڈمی لاہور میں' جہاں سے اس خیر کا آغاز ہوا تھا' اس دورۂ ترجمۂ قرآن کو اب ایک روایت کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ ہر سال ماہ رمضان میں قرآن حکیم کی معیت میں راتیں بسر کرنے کا یہ پروگرام اہتمام کے ساتھ ہوتا ہے' اس کی تاثیر اور افادے کو عوام ہی نے نہیں' بہت سے خواص نے بھی محسوس کیا اور سراہا ہے' بالخصوص یہ بات تو قریباً ہر شریک پروگرام نے محسوس کی کہ اس انداز سے قرآن کا ترجمہ سامنے آنے سے ان بہت سے مشرکانہ عقائد و اوہام کی جڑ کٹ جاتی ہے جو آج بھی ہمارے معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔

اس بار یہ قرعۂ فال قرآن اکیڈمی لاہور کے نام نکلا ہے کہ امیر تنظیم دورۂ ترجمۂ قرآن یہاں کریں گے۔ اس کا قدرے مفصل اعلان "میثاق" کے سرورق کے اندرونی صفحے پر شائع کر دیا گیا ہے۔ بیرون لاہور سے جو لوگ شریک ہونا چاہیں گے ان کے قیام کا انتظام بھی اکیڈمی میں کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

☆ ☆ ☆

پاکستان کے موجودالوقت حالات کسی بھی اعتبار سے اطمینان بخش نہیں ہیں۔ حالیہ انتخابات کے بعد ایک درجے میں یہ توقع پیدا ہوئی تھی کہ سیاسی اعتبار سے کچھ استحکام پیدا ہو گا لیکن یہ توقع بھی ایک امید موہوم ہی ثابت ہوئی۔ امیر تنظیم اسلامی نے ۲۱ جنوری کو اپنے خطاب جمعہ کے آخر میں مکمل حالات کے بارے میں مختصراً جن خیالات کا اظہار کیا تھا' ان کی تلخیص درج ذیل پریس ریلیز میں دیکھی جا سکتی ہے۔

لاہور۔ ۲۱ جنوری: "الیکشن ۹۳ء کے نتیجے میں ایک مستحکم سیاسی حکومت کے قیام کی امید تھی جس پر پانی پھرتا جا رہا ہے کیونکہ مختلف حلقوں کی طرف سے ڈھکے چھپے انداز میں بھی اور واشگاف الفاظ میں بھی مارشل لاء کی خبریں دی جانے لگی ہیں۔" یہ بات امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے موجودہ حکومت کی کارگزاری سے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہی۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ کے اختتامی حصے میں انہوں نے کہا کہ نئی حکومت کے سودنوں کے اگرچہ گن گائے جائیں گے لیکن برسر اقتدار پارٹی خود بھی جانتی ہے کہ اس کے پاؤں زمین سے نہیں لگ سکے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ قانون سازی تو بالکل نہیں ہو سکی مگر آئے دن اسمبلیوں میں ہنگامہ آرائی دیکھنے سننے میں آتی ہے۔ محاذ آرائی کی ذمہ داری حزب اقتدار پر ہو یا حزب اختلاف پر تاہم یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ فاصلے ناقابل عبور ہوتے جا رہے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ موجودہ حکومت کے عدم استحکام میں ایک بہت بڑا عامل یہ بھی ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کا ہاؤ بڑھ رہا ہے۔ نیا سامراج جس طرح دوسرے ملکوں پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتا ہے وہ انداز کسی بھی سیاسی حکومت کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا اور اس معاملے میں جو مسائل بے نظیر کو درپیش ہیں وہی نواز شریف کو بھی بے بس کر ڈالتے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہماری وزیراعظم صاحبہ نے نیو ورلڈ آرڈر کی غلامی سے گلو خلاصی کے لئے چین اور شمالی کوریا تک کا چکر لگا لیا ہے لیکن کہیں سے بھی تقویت حاصل نہ ہو سکی کیونکہ درپیش صورت حال کا مقابلہ کوئی انقلابی حکومت ہی کر سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہزاروں جانیں دے کر انہوں نے اپنے ملک میں جزوی سہی

روزہ اور دعا

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

قرآن مجید کے ۲۳ ویں رکوع میں جہاں روزے کا حکم وارد ہوا ہے، وہاں اس کی حکمت کا بیان بھی ہے اور روزے کے تفصیلی احکام بھی آئے ہیں۔ انہی کے ذیل میں یہ آیت مبارکہ وارد ہوئی ہے:

"وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ○"

"اور (اے نبی ﷺ) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (انہیں بتا دیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں (کہیں دور نہیں ہوں)۔ میں جواب دیتا ہوں (اور قبول کرتا ہوں) ہر دعا کرنے والے کی دعا کا جب بھی وہ مجھے پکارے (جب بھی مجھ سے دعا کرے) تو چاہئے کہ وہ بھی میری پکار پر لبیک کہیں (یعنی میرے احکام کو مانیں اور تسلیم کریں) اور مجھ پر پختہ ایمان اور یقین رکھیں تاکہ وہ رشد و فوز سے ہمکنار ہوں۔"

بظاہر اس آیتِ مبارکہ میں نہ روزے کا ذکر ہے نہ رمضان کا، لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ ہر باشعور ہستی کے کلام میں ربط کا ہونا ضروری ہے۔ غیر مربوط کلام کسی باشعور ہستی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، جس سے بڑھ کر باشعور اور حکیم ہستی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ کلام ربط سے خالی ہو! جن لوگوں نے ربط و تعلق آیات پر زیادہ توجہ صَرف نہیں کی، واقعہ یہ ہے کہ وہ حضرات قرآن مجید کی حکمت و معرفت کے ایک بہت اہم پہلو سے محروم رہ گئے۔ یقیناً قرآن کی ہر آیت اپنی جگہ پر علم و حکمت اور معرفت و عرفان کا ایک بیش قیمت موتی ہے، لیکن جیسے کسی ہار میں اگر موتیوں کو پرو دیا جائے تو اس کے نظم و ترتیب سے ان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اسی طرح کا معاملہ قرآن حکیم کا بھی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید پر غور و فکر کے ضمن میں ضروری ہے کہ انسان دو باتوں کو ملحوظ رکھے۔ ایک یہ کہ آیت کے الفاظ پر اپنی توجہات کو اس طرح مرتکز کر دے جیسے کسی نہایت لطیف اور خفیف ترین شے کے مشاہدے کے لئے مائیکروسکوپ کو فوکس (FOCUS) کر دیا جاتا ہے۔ آیت کے ایک ایک لفظ پر غور و فکر کا حق ادا کیا جائے اور ان کی تراکیب پر تدبر و تفکر کر کے انہیں خوب اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

پھر اس کا سیاق و سباق ملاحظہ کیا جائے اور اس ربط و تعلق سے آیت زیر غور میں جو نئے معنی اور نئی معرفت کا سراغ ملتا ہے اسے تلاش کیا جائے۔

سورۃ البقرہ کے ۲۳ویں رکوع میں ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں مجرد روزے کا حکم اور اس کی حکمت کا بیان ہے (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ) دوسری آیت میں ابتدائی احکام ہیں۔ تیسری آیت میں رمضان المبارک کا ذکر ہے اور اس پورے مہینے کے روزوں کی فرضیت کا بیان ہے (شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ۔ الخ) اس آیت کے بعد پھر یہ آیتِ مبارکہ وارد ہوتی ہے جو اس وقت زیر گفتگو ہے۔ پھر اس سے اگلی آیت میں جو اس رکوع کی طویل ترین آیت ہے، روزے کے تفصیلی احکام آتے ہیں۔ درمیان میں جو یہ موتی ٹکا ہوا ہے اب ہم اپنی توجہات اس پر مرکوز کرتے ہیں۔

پہلے تو ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کا اصل مضمون کیا ہے؟ ---- اس میں درحقیقت دعا کی عظمت سامنے آ رہی ہے اور ہر اس شخص کے لئے جس کے دل میں اللہ کی طرف توجہ اور انابت پیدا ہو جائے اور اس کے دل میں اپنے رب سے تقرب حاصل کرنے کا ایک جذبہ ابھرے، نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے شخص کو سب سے پہلے تو یہ خوشخبری دیجئے کہ تمہارا رب کہیں دور نہیں ہے۔ اس رب سے ہم کلام ہونے کے لئے کہیں جنگلوں میں جا کر دھونی رمانے، کہیں کسی پہاڑ کی کھوہ میں جا کر ڈیرا لگانے یا کہیں برفانی پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر تپسیائیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کے دوسرے تمام مذاہب میں بالعموم یہ تصور موجود رہا ہے کہ اللہ سے قرب حاصل کرنے کے لئے آبادیوں کو چھوڑنا، گھر گرہستی سے ترکِ تعلق اور تجرد کی زندگی اختیار کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا آبادیوں اور گھروں کی آسائشوں کو چھوڑو اور جنگلوں میں نکل جاؤ، کہیں غاروں میں خاص آسنوں کے ساتھ بیٹھ کر پرماتما سے لو لگاؤ، کہیں ہمالیہ کی کسی برفانی چوٹی پر جہاں سرد ہوائیں چل رہی ہوں، ننگے بدن بیٹھو یا کہیں کسی گڑھے میں اپنے آپ کو دفن کرو۔ یہ سو طرح کے جتن ہیں جو انسان اپنے تصورِ خدا کے مطابق اس سے قُرب حاصل کرنے کے لئے کرتا رہا ہے۔ بہرکیف انسان یہ ساری مشقتیں اپنی دانست میں کسی اعلیٰ و ارفع مقصد کے لئے جھیلتا ہے اور وہ مقصد ہے اپنے تصورِ خدا کے مطابق اپنے خدا کا قرب حاصل کرنا۔ یہ انسان کی ایک فطری اور طبعی خواہش ہے۔ چنانچہ خواہ وہ اپنے رب کو صحیح طور پر پہچان نہ پایا ہو اور اس کی توحید کا بھی اسے صحیح ادراک نہ ہو سکا ہو، لیکن فطرتِ انسانی میں اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کا جذبہ طبعی اور

لیکن اسے اس کا احساس بہرحال ہوتا ہے۔ اس بھوک کا احساس نوزائیدہ بچے کو بھی ہوتا ہے جو بھوک کی وجہ سے روتا ہے اور جب روتا ہے تو ماں اسے دودھ پلاتی ہے۔ یہ اصل میں اس کی جبلت اور فطرت ہے۔

چنانچہ جس طریقے سے انسان میں اپنی مادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تقاضوں کا شعور اس کے اندر سے ابھرتا ہے' ایسے ہی ایک روحانی پیاس بھی انسان کے اندر سے ابھرتی ہے۔ کسی میں یہ کم ابھرتی ہے اور کسی میں زیادہ۔ بہت سے لوگ اس دنیا میں اتنے مشغول ہو جاتے ہیں اور اپنے حیوانی تقاضوں کی تسکین و تکمیل میں اتنے منہمک ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنی روح کی پکار سنائی نہیں دیتی' یا وہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ لیکن کوئی انسان' انسان ہونے کے ناتے اس سے بالکل محروم نہیں ہے۔ یہ پیاس اندر سے ابھرتی ہے اور یہی پیاس ہے جو لوگوں کو جنگلوں میں لے جاتی ہے۔ یہی پیاس تھی جس نے گوتم بدھ کو اپنے محل سے نکال کر نہ معلوم کن کن جنگلوں کی خاک چھنوائی اور اسے کن کن منیوں اور رشیوں کے پاس لے گئی اور اس سے کس کس کی جوتیاں سیدھی کرائیں۔ اس نے یہ سب آخر کس لئے کیا؟ وہ کپل وستو کا راجکمار تھا۔ محل میں اسے تمام آسائشیں اور ہر طرح کا آرام حاصل تھا۔ لیکن اس کے دل میں مکتی کے حصول اور دکھ سکھ کی حقیقت جاننے اور اپنے تصور کے مطابق اپنے ایشور کا گیان دھیان حاصل کرنے کا ایک جذبہ ابھرا اور وہ اپنے محل' اپنی جوان بیوی اور شیر خوار بچے کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ فطرت کی ایک پیاس تھی جس نے اسے یہ سب کچھ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ یہ فطرت کی پکار ہی تھی جو حضرت سلمان فارسیؓ کو ایران سے نکال کر شام کے مختلف علاقوں میں لے گئی' جہاں وہ مختلف راہبوں کی خدمت کرتے رہے۔ ان کے دل میں اپنے رب کی معرفت کی ایک پیاس تھی' تو جس کے دل میں یہ چیز ایک سچی پیاس کی حیثیت سے ابھر آئے تو اسے اس وقت تک چین نہیں آسکتا جب تک اس کی اس پیاس کی سیری کا کوئی بندوبست نہ ہو جائے۔

اب آیئے کہ اس آیتِ مبارکہ کا رمضان اور اس کے روزوں کے حکم و فرضیت سے جو ربط و تعلق ہے' اسے واضح کر دیا جائے۔ روزے کی حکمت بیان فرمائی گئی "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" اور رمضان میں ان کی فرضیت کی دوسری اضافی حکمت بیان فرمائی "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ"---اب غور کیجئے کہ ہمارے اندر جو ملکوتی روح ہے اور اس میں اپنے رب سے قرب کی جو پیاس ہے' وہ بالعموم ہمارے جسمانی و حیوانی اور جبلی تقاضوں کے تلے دبی رہتی ہے۔ ہم کاروبارِ دنیا میں منہمک رہتے ہیں۔ ہم دنیا کی آسائشوں اور کام و دہن کی لذتوں میں مستغرق رہتے ہیں۔ بھوک لگی تو کھانا کھالیا' پیاس لگی تو پانی پی لیا' جنسی جذبے نے جوش مارا تو جائز طریقے سے اس کی تسکین کر لی۔ ان

تقاضوں کو پورا کرنے میں انسان اس قدر منہمک رہتا ہے کہ روح کی پیاس اسے محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن رمضان کے روزوں کا پروگرام درحقیقت یہ ہے کہ پورے مہینے کے لئے معمولات کو الٹ دیا گیا ہے' دن میں بھوک اور پیاس برداشت کرو' جنسی خواہش کی تسکین پر قدغن لگاؤ۔ پھر رات کو جبکہ آرام و استراحت کا شدید ترین داعیہ ابھرتا ہے' حکم ہوتا ہے کہ قرآن کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ گویا نفس کے جتنے تقاضے ہیں ان کی مخالفت ہو رہی ہے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد تاکید ہے کہ ہر مسلمان صلوٰۃ التراویح ادا کرے' جس کا اہلِ سنت کے تین فقہی مسالک میں بیس رکعات کا نصاب مقرر ہے۔ اور یہ تو کم سے کم نصاب ہے۔ ورنہ مطلوب یہ ہے کہ رمضان کی راتوں کا اکثر و بیشتر حصہ قرآن مجید کے ساتھ جاگ کر گزارا جائے۔ اگر ہمیں وہ شان نصیب نہیں ہوتی جو سورۃ المزمل میں نبی اکرم ﷺ کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیان کی گئی ہے کہ: "اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَہٗ وَ ثُلُثَہٗ وَ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ" (کہ اے نبیؐ آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی یا نصف رات اپنے رب کے حضور کھڑے رہتے ہیں' نوافل میں قرآن پڑھتے ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کی پیروی میں راتوں کو قیام کرتی ہے)۔ تو اس کی کچھ مشابہت اور اس کا کوئی عکس تو ہمارے اندر رمضان المبارک کی راتوں میں آجائے۔ بہرحال نماز عشاء کے بعد گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی اضافی مشقت بھی اُس وقت ہے جب طبیعت پر کسل کا شدید ترین غلبہ طاری ہوتا ہے۔ یہ سب کیا ہے اسے میں ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہوں کہ یہ "REVERSAL" ہے۔ گیارہ مہینے جو عمل متواتر جاری رہتا ہے اس میں گویا "REVERSE GEAR" ہے جو اس طور پر رمضان میں لگایا گیا ہے کہ اپنے نفس اور کام و دہن کے تقاضوں کو دباؤ۔ جب یہ دبتے ہیں تو اندر سے روح کو کچھ آزادی ملتی ہے اور اس کی پیاس ابھرتی ہے۔ جب یہ ابھرے تو پہلی خوشخبری دی گئی کہ جان لو کہ تمہارا رب تمہارے بالکل قریب ہے۔ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ

جن لوگوں نے یورپ کی تاریخ پڑھی ہے' وہ جانتے ہیں کہ انسانی حقوق کے لئے جو کشمکش وہاں ہوئی' انسان نے اپنے سیاسی حقوق حاصل کرنے اور مطلق العنان بادشاہوں کے چنگل اور جاگیرداروں کے شکنجے سے نجات پانے کے لئے وہاں جو جدوجہد کی ہے اور پاپائیت کے منحوس اور بدترین نظام سے رستگاری پانے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے جو قربانیاں دی ہیں ان کا شمار تاریخ انسانی کے اہم ترین واقعات میں ہوتا ہے۔ یہ وہ نشاناتِ راہ ہیں جن پر چل کر حقوقِ انسانی کا منشور وجود میں آیا ہے۔ جبکہ میرے نزدیک انسانی حقوق کا سب سے بڑا منشور

دلایا جائے کہ تمہارا رب تم سے دور نہیں ہے۔ تمہارے رب کے اور تمہارے درمیان کوئی پادری' کوئی پنڈت' کوئی پیر حائل نہیں ہے۔ بلکہ نقشہ یہ ہے کہ۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یہ ہے بندے کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ---- رب تو ہر دم' ہر آن مائل بہ کرم رہتا ہے۔ رب تو ہم سے غافل نہیں ہے۔ ہم ہی اس سے غافل اور غائب ہو جاتے ہیں۔ عربی کا یہ شعر میں نے بارہا اپنی تقاریر میں سنایا ہے کہ۔

اَغیبُ وَ ذُوَ اللّطائفِ لا یغیبُ
وَ اَرجُوہ رجاءً لا یَخیبُ!

کہ میں غائب ہو جاتا ہوں' وہ ہستی جو ذواللّطائف ہے وہ تو غائب نہیں ہوتی۔ وہ تو ہر آن اور ہر جگہ موجود ہے۔ وہ تو منتظر رہتی ہے کہ میرا بندہ میری طرف متوجہ ہو۔ یہ تو ہم ہیں جو اس کی طرف رخ نہیں کرتے۔ ہم نے اس سے پیٹھ موڑی ہوئی ہے۔ ہم نے اس دنیا کو اپنا محبوب اور مطلوب بنالیا ہے اور دولت کے پجاری بن گئے ہیں۔ ہم ہیں جو اپنے نفس کی غلامی میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم اس ذواللطائف ہستی کی طرف رخ کب کرتے ہیں احدیثِ قدسی میں یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ میرا بندہ اگر میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ میرا بندہ میری طرف بالشت بھر آتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہوں۔ میرا بندہ اگر مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ میرا بندہ اگر میرا ذکر کسی محفل میں کرتا ہے تو میں اس سے بہت اعلیٰ محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ یعنی ملائکہ مقربین کی محفل میں اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کا ذکر فرماتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کی ترجمانی جواب شکوہ میں اس طرح کی ہے کہ۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں!

لیکن اگر بندے میں یہ پیاس ابھر آئے تو جب چاہے' جہاں چاہے' اللہ سے ہم کلام ہو جائے۔ جہاں کوئی حاجب نہیں' کوئی دربان نہیں۔ اس کی بھی علامہ اقبال نے بہترین تعبیر کی ہے۔

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

جاتے ہیں کہ اگر تم کو اپنے رب سے ہم کلام ہونا ہے تو پہلے نذر و نیاز یہاں پیش کرو۔ ہماری مٹھیاں گرم کرو۔ ہم اس کے دربار کے حاجب اور دربان ہیں اور ہم جس بزرگ کی قبر کے مجاور بنے بیٹھے ہیں' ان بزرگ کی اللہ کے یہاں بڑی رسائی ہے۔ تمہاری درخواست اللہ کے یہاں ان کے ذریعہ سے پہنچ سکے گی اور ان تک پہنچنے کا ذریعہ ہم ہیں۔ پہلے ہمیں خوش کرو' ہماری مٹھی گرم کرو تو تمہارا کام بنے۔

یہ نہ سمجھئے کہ تمام لوٹ کھسوٹ اور جابرانہ استحصال صرف سیاسی سطح ہی پر ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ نوع انسانی کا سب سے بڑا استحصال (EXPLOITATION) مذہب کے میدان میں ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو سورۃ التوبہ میں بالکل واشگاف کر دیا گیا ہے۔ فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (آیت ۳۴)

"اے اہل ایمان! اکثر علماء و مشائخ کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طور طریقوں سے کھاجاتے ہیں اور اللہ کی (توحید کی) راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔"

مذہب کے نام پر باطل اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کے اموال ہڑپ کرنے کے لئے سارے نظام بنائے گئے ہیں کہ یہ دیوی دیوتا ہیں' یہ ان کے مندر اور استھان ہیں' یہ ان کے بت ہیں اور یہ ان کے پروہت ہیں' یہ ان کے پجاری ہیں' یہ پنڈت ہیں — یا یہ کہ کوئی پیر صاحب ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ان کی فلاں فلاں بزرگوں سے نسبت ہے — کہیں کوئی پادری یا پوپ صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے مسیح کے چیتے ہیں۔ ان کی خدمت کرو گے' ان کو راضی رکھو گے' ان کی نذر بردایاں اٹھاؤ گے' تب ہی ایشور تک رسائی ہوگی۔ ان کو خوش کرو گے تب ہی اللہ خوش ہوگا۔ ان کو راضی رکھو گے تب ابن اللہ تمہارے کام آئیں گے۔ عجیب اور حیران کن بات یہ ہے کہ مذہب کے نام پر جو استحصالی نظام اب تک قائم رہے ہیں وہاں یہ حرف "پ" آپ کو ضرور ملے گا۔ پنڈت' پروہت اور پیر حتیٰ کہ پادری کے لئے جو انگریزی لفظ "PRIEST" ہے وہاں بھی یہ "پ" موجود ہے۔ اسی "پ" کی گردان آپ کو ہر جگہ نظر آئے گی۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ عربی زبان میں "پ" ہے ہی نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ جو اللہ کا دین ہمیں دے کر تشریف لے گئے ہیں' اس نے اس تصور کی بالکلیہ نفی کر دی۔

جب بندے کے اندر اپنے رب سے ہم کلام ہونے کی سچی اور حقیقی پیاس پیدا ہوتی ہے اور اس کے قلب کی گہرائی سے واقعتاً اپنے رب سے مناجات کرنے اور اپنی غفلت پر پشیمان ہو کر توبہ

موجب بنتی ہے کہ اس کا رب اس سے دور نہیں' بالکل قریب ہے۔ اس کا در اس کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے ہمیشہ کھلا ہے۔ ایک حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔ "اِنَّ اللّٰہَ یقبل تو بۃَ العبدِ مالم یُغَرغِر" ---- یقیناً اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک موت کا گھنگھرو نہ بولنے لگے۔ یعنی جب تک عالمِ نزع طاری نہ ہو جائے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے خواہ کسی کے کوہِ اُحد جتنے گناہ ہوں۔ اسی مفہوم کی سرمد نے بڑا ترجمانی کی ہے۔

باز آ' باز آ' ہر آنچہ ہستی باز آ ۔۔۔ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست ۔۔۔ صد بار اگر توبہ شکستی' باز آ

کہ اگر اس سے پہلے تم سو بار بھی توبہ کر کے توڑ چکے ہو' تب بھی پروا نہ کرو۔ آج اگر خلوص و اخلاص کے ساتھ پھر متوجہ ہو گے تو جان لو کہ یہ بارگاہ وہ ہے جو کبھی بند نہیں ہوتی۔ اس پر کوئی حاجب اور دربان نہیں۔ سچی پشیمانی اور خلوص کے ساتھ رجوع کرو' اس ارادہ کے ساتھ اللہ سے توبہ کرو کہ اے اللہ! میں شرمسار ہوں' پشیمان ہوں' تجھ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! اب تک جو زندگی غفلت میں گزری ہے' گناہوں میں بسر ہوئی ہے اسے تو معاف فرما دے۔ اب میں از سرِ نو تجھ سے عہد کر رہا ہوں' پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ' پورے عزم کے ساتھ کہ اے پروردگار! میں اب تیرے حکم کے خلاف نہیں چلوں گا اور تیری مرضی کے مطابق زندگی بسر کروں گا۔ تو نے جو کرنے کو فرمایا ہے' وہ کروں گا اور جس سے بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچوں گا۔ تجھ پر ایمان پختہ رکھوں گا' تو کوئی وجہ نہیں کہ بندے کی توبہ قبول نہ ہو' اللہ لازماً اپنی عنایات کے ساتھ ایسے بندے کی جانب متوجہ ہو گا' یہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے۔

اس آیت کا اگلا حصہ نہایت قابلِ توجہ ہے۔ فرمایا: فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ "انہیں بھی تو چاہئے کہ میرا کہنا مانیں" --- یک طرفہ معاملہ نہیں چلے گا کہ تم مجھ سے اپنی منوانا چاہو اور میری مانو نہیں۔ مجھے اپنی احتیاجیں سنانا چاہو اور میری بات سن کر نہ دو' مجھ سے تم چاہو کہ میں تمہاری مدد کروں اور حال یہ ہو کہ تم میرے دشمنوں کے مددگار بنے ہوئے ہو' تم نے میرے باغیوں کے ساتھ وفاداریوں کا رشتہ استوار کر رکھا ہو اور میرے نافرمانوں کے نقشِ قدم کو اپنے لئے نشانِ راہ بنایا ہوا ہو۔ یہ نہیں ہو گا۔ اللہ اور بندے کا معاملہ دو طرفہ ہے' یکطرفہ بات نہیں چلے گی۔ اسی لئے فرمایا: فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ۔ "تم مجھے یاد رکھو' میں تمہیں یاد رکھوں گا۔" اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ "تم اللہ کی مدد کرو گے' اللہ تمہاری مدد کرے گا۔" اللہ کی مدد کیا ہے؟ اس کے دین کی خدمت! اس کے دین کی اقامت کے لئے تن من دھن لگانا! باقی اللہ ہم سے روزی نہیں چاہتا۔

سورۂ طٰہٰ میں نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے نوعِ انسان سے فرمایا گیا: لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ "(اے نبیؐ) ہم آپ سے روزی طلب نہیں کرتے بلکہ ہم آپ کو رزق دیتے ہیں۔" سورۃ الذاریات (آیات ۵۶ تا ۵۸) میں یہ مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ آیا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ "○ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں (عبادت اور دعا کا باہم ربط و تعلق میں آگے قدرے تفصیل سے بیان کروں گا) "مَا اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ "○ میں ان (جن و انس) سے رزق کا خواہاں نہیں ہوں اور نہ اس کا خواہاں ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں، پلائیں — "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ "○ تحقیق اللہ تو خود ہی رزاق ہے، روزی رساں ہے، بڑی قوت والا ہے، بڑا زبردست ہے — ہاں اس کے دین کا جھنڈا اٹھاؤ، اس کو سربلند کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگاؤ تو پھر جو دعا کرو گے اسے ہم قبول کریں گے، تمہاری جو پکار ہوگی اس پر تم ہمیں موجود پاؤ گے — ایک حدیث شریف میں یہاں تک الفاظ آئے ہیں "تَجِدُهُ اَمَامَکَ "تم اسے اپنے سامنے موجود پاؤ گے۔ وہ کہیں دور ہے ہی نہیں۔ جیسے سورۂ قٓ میں فرمایا: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ○ "ہم تو انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں" — سورۃ الحدید میں فرمایا: هُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ "وہ (اللہ) تمہارے ساتھ موجود ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو" — یہ تو تمہاری بے التفاتی اور عدم توجہی ہے کہ تم ہماری طرف رخ نہیں کرتے۔ تمہارے دل کے سنگھاسن پر ہماری محبت کے بجائے دنیا اور اس کے مال و دولت کی محبت براجمان ہے، اگر دل کو ان محبتوں سے پاک کر کے میری محبت سے آباد کر لو تو جہاں تم ہو، وہاں میں ہوں۔ ایک حدیث قدسی میں یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ پھر ایک مقام وہ بھی آتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ میں اپنے بندے کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ میں اپنے بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اپنے بندے کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔

استجابت کے معنی قبول کرنے کے بھی ہیں۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۴۷ میں یہ لفظ وارد ہوا ہے:

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ○ (آیت ۴۷)

"اپنے رب کی پکار پر لبیک کہو (اسے قبول کرو) اس سے پہلے کہ وہ دن اللہ کی طرف سے

نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا ہو گا۔"

اور یہاں سورۃ البقرہ کی زیر گفتگو آیت میں فرمایا "فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي" کہ ان کو بھی تو چاہئے کہ میری پکار کو سنیں، میری بات کو قبول کریں۔

ہمارے رب کی پکار کیا ہے؟ اس کے ضمن میں تین چیزیں خاص طور پر گن لیجئے۔ پہلی پکار یا پہلا مطالبہ ہے: "اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ" کہ اپنے رب کی بندگی کرو۔ ہمہ تن اللہ کے بندے بن جاؤ اور پورے وجود کے ساتھ اس کے سامنے جھک جاؤ یعنی: "اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً" اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام میں جزوی داخلہ اللہ کو قبول نہیں ہے۔ دوسرا مطالبہ ہے دین کی دعوت و تبلیغ کا جس کے لئے قرآن کی اصطلاح "شہادت علی الناس" کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے دین کی دعوت و تبلیغ کا حق ادا کر دیا، اپنے قول سے ہی نہیں عمل سے بھی دین کی گواہی دی، آپؐ کے بعد یہ ذمہ داری امت کے کاندھوں پر آگئی کہ پوری نوع انسانی تک اسی طرح قرآن کے پیغام کو عام کریں اور دین کی دعوت و تبلیغ کا حق ادا کریں جیسے آپؐ نے کر کے دکھایا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے محنت، کوشش، جدوجہد امت کے ہر فرد پر لازم ہے۔ "وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" یہ الفاظ سورۃ الحج میں اسی ضمن میں وارد ہوئے ہیں۔ اور تیسری پکار یا تیسرا مطالبہ ہے کہ اس دینِ حق کو قائم و نافذ کرنے کے لئے اپنے آپ کو لگاؤ، کھپاؤ اور اپنی صلاحیتوں کو بھرپور طور پر صرف کر دو۔

یہی بات ہے جو آیت زیر گفتگو میں فرمائی جا رہی ہے۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي — انہیں بھی چاہئے کہ میرا کہنا مانیں، میری پکار پر لبیک کہیں۔ وَلْيُؤْمِنُوا بِي — اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں۔ اس لئے کہ یہ ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے جو پونجی درکار ہے، وہ ایمان کی پونجی ہے۔ جس شخص کا اللہ پر ایمان و یقین اور توکل ہے اور اللہ کی مدد و نصرت پر بھروسہ ہے وہی اللہ کی پکار پر لبیک کہہ سکے گا اور اس کے احکام کی تعمیل کر سکے گا۔ اس آیتِ مبارکہ کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ پر "لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ" تاکہ لوگ رشد و ہدایت کی راہ پر آجائیں۔ یعنی روزہ، اللہ کی تکبیر، اس کا شکر، اس سے تعلق، اس سے دعا اور مناجات، یہ تمام امور وہ ہیں کہ اگر ایک بندۂ مومن ان کا خلوص و اخلاص کے ساتھ اہتمام کرے تو وہ راہِ ہدایت اور فوز و فلاح سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

بہرحال یہ ہے وہ آیت مبارکہ جس کے ذریعہ سے ہمارے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ دعا کا روزے اور رمضان کے دو گونہ پروگرام سے کیا تعلق ہے۔ میں رمضان کو اس لئے شامل کر رہا ہوں کہ روزہ تو دن کا ہے۔ اور رات کو درحقیقت رمضان کا خصوصی پروگرام ہے۔ رمضان کیا

نازل کیا گیا ہے ـــــ چنانچہ یہ رات کی تراویح، یہ رات کا قیام، یہ قرآن مجید کا سننا، سنانا اور اس کا سمجھنا، یہ اصل میں رمضان کا حق ہے۔ ورنہ جہاں تک روزے کا تعلق ہے تو خواہ وہ کسی بھی مہینے کے فرض ہو جاتے، ان کی برکات تو وہی رہتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دو آتشہ پروگرام بنایا کہ دن کا روزہ ہو اور رات کا قیام۔ تاکہ دونوں کا نتیجہ یہ نکلے کہ تمہاری روح کچھ بیدار ہو، تمہارے اندر اپنے رب کی جانب رجوع کرنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کی پیاس ابھرے، اللہ کے ساتھ محبت اور اس کی معرفت کا ایک جذبہ دل میں جوش مارے۔ اور جب یہ کیفیت ہو جائے تو اس روح کو کلام الٰہی کی صورت میں اعلیٰ ترین غذا مہیا ہو سکے اور یہ خوشخبری پاکر وہ جھوم جائے کہ میں قریب ہی ہوں اور ہر پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے۔ دعا کی عظمت کے بیان میں سورۃ المومن کی ایک آیت جو عام طور پر خطبۂ اول کے اختتام پر پڑھی جاتی ہے، نہایت عظیم ہے۔ "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○" (آیت ۶۰) اس اعتبار سے یہ بڑی جامع آیت ہے کہ اس میں دعا اور عبادت کا ہم معنی اور مترادف ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کے دو حصے ہیں اور ہمیں ان دونوں حصوں کے مابین جو ربط و تعلق ہے اسے بھی جاننا ہوگا۔ پہلے حصے میں فرمایا: "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" ("اور تمہارے رب نے یہ فرمایا کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا"۔) ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اس کی بڑی پیاری وضاحت فرمائی ہے کہ دنیا میں اگر کسی سے کچھ مانگا جائے تو بالعموم انسان کو ناگوار ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑے سخی کا حال بھی یہ ہوتا ہے کہ اس کے سامنے اگر کوئی بار بار دستِ سوال دراز کرے تو شروع میں تو شاید وہ ناگواری محسوس نہ کرے لیکن ایک حد پر آکر اس کے ماتھے پر بھی ضرور بل پڑ جائیں گے۔ لیکن اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ مانگنے سے ہرگز ناراض نہیں ہوتا بلکہ اس سے جتنا مانگا جائے اتنا ہی وہ خوش ہوتا ہے، اور جتنا مانگا جائے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بے حساب دیتا ہے۔ آپ اللہ سے دعا کرتے ہیں، اس سے مانگتے ہیں تو اس لئے کہ آپ کو یقین ہوتا ہے کہ وہ آپ کی دعا سنتا ہے، آپ کی تکلیف کو رفع کر سکتا ہے، آپ کی احتیاج کو پورا کر سکتا ہے۔ اس طرح گویا آپ کی طرف سے اللہ کے سمیع ہونے اور اس کے عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہونے کے یقین کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی چیزیں درحقیقت ایمان کا لبِ لباب ہیں۔ اگر ہمارے اخلاقی تصور میں فساد پیدا ہو گیا ہو تو یہ بات دوسری ہے، ورنہ آپ سوچئے کہ اگر کوئی شریف آدمی کسی سے کوئی درخواست کرے کہ میرا یہ کام کر دیجئے اور وہ اس کام کو کر دے تو کیا اس کے دل میں اس شخص کے لئے احسان مندی کے

وقت میں میرا ساتھ دیا ہے تو مجھ پر بھی اس کا کوئی حق قائم ہو گیا ہے — ہر شریف اور بامروّت انسان کا یہ ردِّ عمل لازمی ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اللہ سے دعا کریں گے' اس کی استعانت کے طالب ہوں گے تو اگر آپ کی شخصیت کج نہ ہو گئی ہو تو خود بخود آپ کے دل میں یہ جذبہ ابھرے گا کہ آپ اپنے محسن کے شکر گزار بنیں' اس کی عظمت کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اسی کا نام عبدیت ہے۔ چونکہ آپ اس سے دعا کر رہے ہیں' اس سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کی استدعا کر رہے ہیں' لہٰذا اس کا بالکل معقول' فطری اور منطقی تقاضا یہ ہے کہ آپ اس کی بندگی اختیار کریں' اس کا ہر حکم بجا لائیں۔ چنانچہ اب دیکھئے کہ آیتِ مبارکہ کے اس حصہ کا دوسرے حصہ سے کتنا گہرا ربط و تعلق قائم ہو گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝" — "اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ تم مجھے پکارو (مجھ سے دعا کرو) میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں (یعنی تکبر کی بنا پر میری بندگی سے منہ موڑتے ہیں) یہی لوگ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر" — آپ نے دیکھا کہ اس آیۂ مبارکہ میں دعا اور عبادت کس طرح ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر آئے ہیں۔

دعا در حقیقت اللہ تعالیٰ سے کلام اور مناجات کرنے کا نام ہے اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ اللہ کو حاضر ناظر تسلیم کرتے ہیں' اسے القدیر سمجھتے ہیں' اسے السمیع اور البصیر جانتے ہیں' اسے مشکل کشا اور حاجت روا مانتے ہیں' اسے الرحمٰن الرحیم تسلیم کرتے ہیں' اسے فریادرس اور عادل و منصف سمجھتے ہیں۔ علامہ اقبال کا چوتھا لیکچر "MEANING OF PRAYER" کے موضوع پر ہے۔ یعنی اسلام میں دعاء کا مفہوم کیا ہے ان کے لیکچرز کی زبان خاصی مشکل ہے لیکن یہ لیکچر نسبتاً آسان ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دعا کا اصل مفہوم یہ ہے کہ ہماری انائے صغیر اس انائے کبیر کے روبرو ہو جائے' ہم اللہ سے خطاب کر رہے ہوں — دیکھئے ایک ہے غائبانہ ذکر' جسے آپ "PASSIVE" ذکر بھی کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً سبحان اللہ' الحمدللہ اور اللہ اکبر کا ورد کرنا۔ یہ بھی اللہ کا ذکر ہے لیکن اس میں اللہ سے خطاب نہیں ہے' اس میں مکالمہ اور مخاطبہ نہیں ہے۔ لیکن جب آپ کہتے ہیں: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کہ اے اللہ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔ تو اس میں ہم اللہ سے براہ راست خطاب کرتے ہیں۔ یہاں ہماری انائے صغیر (FINITE EGO) روبرو آجاتی ہے انائے کبیر (INFINITE EGO) کے۔ یہ جو بالمشافہ بات ہو رہی ہے' یہ در حقیقت ذکر و فکر کی معراج

دعا کے ضمن میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے رب سے کن چیزوں کی دعا کرنی چاہئے۔ اختصار سے عرض کرتا ہوں کہ اس کے بارے میں ایک طرف تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہاں تک تلقین فرمائی ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی درکار ہو تو اللہ سے مانگو۔ یعنی یہ کہ حقیر سے حقیر شے بھی اسی سے مانگو۔ اس میں گویا تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ کسی اور سے کچھ نہ مانگو۔ تمہارے لئے اتنی بڑی بارگاہ کھلی ہوئی ہے' اس بارگاہ سے کیوں نہیں مانگتے؟ تمام انسانوں کے دل اس کی انگلیوں کے مابین ہیں۔ وہ تمہاری ضرورت' جس کے ذریعے سے چاہے گا پوری کردے گا۔ تم کیوں اپنے جیسے انسان کے سامنے دستِ سوال دراز کر کے اپنی انسانیت کو رسوا کرتے ہو؟ کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانا گویا اپنی عزتِ نفس کو ضائع کرنا ہے۔ لہٰذا جو کچھ بھی مانگنا ہو اللہ سے مانگو۔ کوئی چیز اس کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں ہے۔ سورۃ الکہف میں دو یتیم بچوں کے مکان کی دیوار کا ذکر آیا ہے' جو بوسیدگی کی وجہ سے گر رہی تھی۔ ان کے والدین نیکوکار تھے۔ انہوں نے کچھ پونجی اپنے یتیم بچوں کے لئے اس دیوار کے نیچے گاڑی ہوئی تھی تاکہ بچے جب بڑے ہو جائیں تو ان کے کام آئے۔ وہ دیوار گرا چاہتی تھی کہ اس کو بچانے کے لئے حضرت خضر پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام میں اللہ کے احکام کی تنفیذ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے محافظت کرنے والے نہ معلوم کہاں کہاں موجود ہیں' ہم تو جانتے تک نہیں۔ "وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ" تیرے رب کے لشکروں کو کون جانتا ہے سوائے اس کے۔ وہ جس کے ذریعے سے چاہے گا تمہاری ضرورت کو پورا کرا دے گا۔ لہٰذا کسی سے کچھ نہ مانگو اور جو کچھ مانگنا ہے اسی سے مانگو۔ لیکن جیسے معرفت اور ہدایت کے مختلف درجے ہیں اور یہ ایک ایسا مسلسل عمل ہے کہ آپ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب مجھے کُل ہدایت حاصل ہو گئی' اسی طرح دعا کے بھی درجات ہیں۔ بلند ترین درجہ یہ ہے کہ اللہ سے کچھ نہ مانگو سوائے ہدایت اور استقامت کے ـــــ دنیا کی کوئی شے اللہ سے نہ مانگو۔ اس لئے کہ تمہیں کیا پتہ کہ جو کچھ تم اللہ سے مانگ رہے ہو' وہ حقیقت میں تمہارے لئے خیر ہے یا شر ہے۔ وہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔

"عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝" (البقرۃ:۲۱۶)

یعنی ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور تم اللہ سے اسے اپنے سے دور کر دینے کی دعا کرو حالانکہ اسی میں تمہارے لئے خیر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور اس کے حصول کے لئے اللہ کے حضور گڑگڑا کر اور باتکرار گڑگڑا کر دعا کرتے رہو اور حقیقت میں وہی چیز تمہارے لئے شر ہو۔ اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: "وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ

بِالشَّرِّ دُعَاءَہٗ بِالْخَیْرِ وَ کَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا٥" (آیت ۱۱) کہ انسان بعض اوقات خیر مانگتے مانگتے اپنے لئے شر مانگ بیٹھتا ہے، اس لئے کہ انسان نہایت جلد باز ہے۔ انسان حقیقت کو نہیں دیکھتا جبکہ اللہ تعالیٰ حقیقت کو دیکھتا ہے۔ لہٰذا اس سے مانگنے کی اصل چیز ہے ہدایت۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم۔ "اے اللہ، اے ہمارے رب، ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت عطا فرما"۔ اس ضمن میں یہ دعا نہایت عظیم ہے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا فِیْمَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنَا فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنَا فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لَنَا فِیْمَا اَعْطَیْتَ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ، فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ، اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ، نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ

"اے اللہ تو ہماری رہبری فرما ان لوگوں میں جن کی تو نے رہبری کی ہے اور ہمیں عافیت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے عافیت دی ہے اور ہمیں دوست بنا لے ان لوگوں میں جن کو تو نے دوست بنا لیا ہے اور ہمیں برکت دے اس چیز میں جو تو نے ہمیں عطا کی ہے اور ہمیں ہر اس برائی سے بچا لے جو تو نے مقدر کر رکھی ہے۔ کیونکہ تو ہی فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلاشبہ تیرا دوست ذلیل نہیں ہو سکتا اور تیرا دشمن عزیز نہیں ہو سکتا۔ اے ہمارے رب! تو برکت والا ہے اور بلند و برتر ہے۔ ہم تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں اور ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

پھر یہ کہ اللہ سے استقامت طلب کی جائے۔ "اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَقُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ وَعَلٰی طَاعَتِکَ"۔ اے اللہ ہمارے قدموں کو اور ہمارے دلوں کو اپنے دین پر اور اپنی اطاعت پر جما دے۔ اسی طرح اللہ سے ہدایت میں افزونی اور علم میں اضافہ کی دعا کیجئے۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو یہ دعا تلقین فرمائی ہے: "وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا٥" (آیت ۱۱۴) اور (اے نبی!) کہا کیجئے کہ اے میرے رب، میرے علم میں اضافہ فرما — اللہ سے علمِ نافع کی دعا کیجئے۔ سلام پھیرنے کے بعد حضور ﷺ جو دعائیں مانگا کرتے تھے اس میں یہ دعا بھی شامل ہوتی تھی۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا طَیِّبًا"۔ اے اللہ، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، نفع دینے والے علم اور مقبول ہونے والے عمل اور پاک اور حلال روزی کا۔ اللہ سے مانگنے کی ایک چیز فہم و فراست بھی ہے جیسے نبی اکرم ﷺ دعا مانگا کرتے تھے: "اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ حَقِیْقَۃَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ" کہ اے اللہ، مجھے اشیاء کی حقیقت دکھا جیسی کہ فی الواقع وہ ہیں۔ ظاہر تو سب ہی دیکھ رہے ہیں، لیکن مجھے ہر شے کی اصل حقیقت پر مطلع فرما! کسی شاعر نے کیا خوب

کہا ہے۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

تو اللہ سے وہ نظر مانگئے جو اشیاء کی حقیقت تک پہنچے۔ اسی طرح یہ دعا بھی حرزِ جان بنانے کے لائق ہے: "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" (آل عمران:۸) "اے رب ہمارے' نہ پھیرنا ہمارے دلوں کو جبکہ تو ہمیں ہدایت دے چکا اور ہم کو اپنے خاص خزانۂ فضل سے رحمت عنایت فرما۔ بے شک تو ہی ہے سب کچھ دینے والا۔"

دعا کے باب میں چوٹی کی دعا وہ ہے جس کا نام دعائے استخارہ ہے' جس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ دعا ایسے سکھائی اور اس طرح تلقین فرمائی جیسے قرآن مجید کی سورتیں سکھاتے اور تلقین فرماتے تھے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ' اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّی فِی دِينِی وَمَعَاشِی وَعَاقِبَةِ اَمْرِی فَاقْدُرْهُ لِی وَيَسِّرْهُ لِی ثُمَّ بَارِكْ لِی فِيهِ' وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّی فِی دِينِی وَمَعَاشِی وَعَاقِبَةِ اَمْرِی فَاصْرِفْهُ عَنِّی وَاصْرِفْنِی عَنْهُ' وَاقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِی بِهِ (صحیح بخاری)

"اے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعہ سے بھلائی مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ سے قدرت چاہتا ہوں اور مانگتا ہوں تیرے فضل عظیم سے۔ چونکہ تو ہی قادر ہے میں قادر نہیں ہوں اور تو ہی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا۔ اور تو ہی علام الغیوب ہے۔ اے میرے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین' میری معاش اور انجام کار کے اعتبار سے میرے لئے اچھا ہے تو اسے تو میرے قابو میں کردے اور اس کو میرے لئے آسان بنادے۔ پھر اس میں میرے لئے برکت عطا فرما۔ اور اگر تیرے علم کامل میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا اور انجام کار کے اعتبار سے برا ہے' شر ہے تو اس کام کو تو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لئے بھلائی مقرر فرمادے جہاں کہیں بھی وہ ہو اور پھر مجھے اس سے خوش فرما

دعا کے ضمن میں اگرچہ اصولی بات تو یہی ہوگی کہ اگر مانگنا ہی ہے تو اللہ سے مانگو، یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ تک اسی سے مانگو۔ لیکن اللہ سے مانگنے کی اعلیٰ وارفع چیزیں دوسری ہیں۔ توپ سے مکھیاں نہیں مارا کرتے۔ یہ دعا بہت بڑی توپ ہے۔ اس سے بڑی شے کا شکار کرو، اس کے ذریعے دنیا کی یہ حقیر اور چھوٹی چھوٹی چیزیں ہی کیوں مانگتے ہو! دعا تو اعلیٰ وارفع چیزوں کے لئے ہونی چاہئے۔ وہ ہدایت کے لئے، دین کے علم اور اس کے فہم کے حصول کے لئے، دین پر عمل پیرا ہونے اور اس پر استقامت وثبات کے لئے ہونی چاہئے۔ ایک بندۂ مومن کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ توفیق طلب کرنی چاہئے کہ وہ اپنا تن من دھن اس کے دین کی سرفرازی و سربلندی کے لئے لگا سکے۔ اللہ سے اس کے دین کا جھنڈا سربلند کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے کی ہمت طلب کیجئے۔ اللہ سے شہادت کی موت مانگئے۔ اس لئے کہ خود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ آرزو کی ہے۔

"وَالَّذِی نفسُ محمّدٍ بیدِہ لو ددتُ ان اَغزُوَ فِی سبیلِ اللّٰہ فاُقتَل ثم اُحییٰ ثم اَغزو فاُقتل"

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے میری یہ تمنا اور خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔"

حضور ﷺ کا ایک یہ ارشادِ گرامی بھی ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا چاہئے کہ "جو (مسلمان) اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کی تمنا ہی پیدا ہوئی تو اس کی موت نفاق کے ایک شعبہ پر ہوئی۔" چنانچہ اللہ سے مانگنے کی چیزیں جذبہ جہاد اور شوق شہادت ہیں۔[1]

احادیثِ نبویؐ حکمت کا ایک عظیم خزانہ ہیں اور قرآن حکیم کے مطالب ہی کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہیں۔ حکمت کے بڑے عظیم خزانے پوشیدہ ہیں رسول اللہ ﷺ کے چھوٹے چھوٹے ارشادات اور فرمودات میں، بالکل ایسے جیسے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔ دعا کے بارے میں آپؐ کے یہ الفاظ نہایت جامع ہیں: "الدُّعاءُ مُخّ العبادۃِ" دعا عبادت کا مغز ہے۔ یہ

---

[1] صحیح بخاری میں منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ طلبِ شہادت کے لئے کثرت سے مندرجہ ذیل دعا مانگا کرتے تھے جو قبول بھی ہوئی اور آپؓ مدینۃ النبی ﷺ میں ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ "اَللّٰھُمَّ ارْزُقنِی شھادۃً فِی سَبیلِکَ وَاجْعَل مَوتِی فِی بَلَدِ رَسُولِکَ" یعنی "اے اللہ! تو مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت عطا فرما اور میری موت تیرے رسول ﷺ کے شہر میں واقع ہو"۔ (مرتب)

عبادت کا جوہر اور لبِّ لباب ہے۔ دوسری حدیث میں تو یہ پردہ بھی اٹھا دیا، ارشاد فرمایا: "الدّعاءُ هو العبادة" دعا ہی تو اصل عبادت ہے۔ جس سے تم دعا کر رہے ہو وہی تمہارا معبود ہے۔ اگر اللہ کے سوا کسی اور کو پکارا ہے تو وہی آپ کا معبود ہے، چاہے آپ زبان سے کہہ رہے ہوں "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانتے۔ اگر مشکل کشائی کے لئے آپ نے اللہ کے سوا کسی بھی اور ہستی کو پکارا خواہ وہ فرشتہ ہو، پیغمبر ہو یا ولی اللہ ہو، تو گویا آپ نے اللہ کو نہیں، اس ہستی کو اپنا معبود سمجھا ہے۔ توحید کا تقاضا یہی ہے کہ استدعا، استعانت، استمداد، استنصار، استغاثہ، یہ سب صرف اللہ کے ساتھ مخصوص رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی دعاؤں کو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بابرکات کے لئے خالص کر لیں۔

آخر میں دعا کے ضمن میں ایک عملی بات بیان کرنا چاہوں گا۔ وہ عملی بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق کوئی دعا کبھی بیکار یا رائیگاں نہیں جاتی۔ دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے لیکن اس کی مقبولیت کی تین مختلف شکلیں ہیں۔ پہلی یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگتا ہے وہ اگر اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل میں اس کے لئے خیر ہے تو وہ اسے وہی چیز عطا فرما دیتا ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ اگر اللہ کے علمِ کامل میں یہ ہے کہ میرا بندہ لاعلمی میں مجھ سے ایسی چیز مانگ رہا ہے جو اس کے حق میں مفید نہیں ہے۔ (جیسے آپ کا بچہ آپ سے چاقو مانگے تو آپ اسے چاقو نہیں دیتے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اسے اس کا استعمال نہیں آتا اور یہ نادانی میں اپنا ہاتھ کاٹ بیٹھے گا۔) تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بندے کو وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جو اس کے حق میں واقعتاً مفید ہو۔ تیسری شکل یہ ہے کہ اگر کوئی شے بھی اس وقت بندے کو دینا اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کاملہ میں نہیں ہے تو اللہ اس دعا کو بندے کے لئے توشہ آخرت بنا لیتا ہے۔ آخرت میں وہ دعا اس بندے کے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ بن جائے گی۔ اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ------ ○○

بقیہ : پریس ریلیز

کر سکے۔ ہمیں بھی اگر ایک باوقار قومی زندگی کی خواہش ہے تو انقلاب بلکہ اسلامی انقلاب لانا ہوگا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہمارے ملک میں تو انقلاب کیا کوئی معمولی تبدیلی بھی نہیں لائی جا سکی۔ ذوالفقار علی بھٹو چاہتے تو اس ملک کے ماؤزے تنگ بن سکتے تھے لیکن وہ جاگیرداری کے اپنے خول سے باہر نہ نکل سکے اور اسی طرح جنرل ضیاء الحق کو نظامِ مصطفیٰ کی تحریک نے ایسا ماحول مہیا کر دیا تھا کہ تاریخ میں دوسرے عمر بن عبدالعزیزؒ بن کر نمودار ہو سکتے تھے مگر انہوں نے بھی اسلام سے صرف اپنے اقتدار کو طول دینے کا کام لیا۔ انہوں نے کہا کہ بظاہر امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی لیکن سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ ہمارا حوصلہ بڑھاتا ہے جہاں مکہ کے بعد طائف سے بھی مکمل مایوسی کے بعد یثرب کی طرف کھڑکی کھل گئی تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان اور افغانستان سے خیر برآمد ہوگا۔ افغانستان کا جہاد "فساد" بن گیا ہے تو اس لئے کہ وہ راستہ اختیار نہیں کیا گیا تھا جس کی تعلیم نبی اکرم

مسئلہ ملکیتِ زمین

ڈاکٹر اسرار احمد

یہ بات تو پاکستان کا ہر عاقل و بالغ شہری' اور ہر صاحبِ دانش و بینش انسان جانتا ہے کہ جب تک یہاں سے جاگیرداری اور بڑی زمینداری کا خاتمہ نہیں ہو تا نہ یہ ملک ترقی کر سکتا ہے' نہ یہاں عوامی فلاح و بہبود کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے' اور نہ ہی حقیقی معنی میں عوامی سیاست جڑ پکڑ سکتی ہے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ جاگیرداروں سے ان کی جاگیریں اور بڑے زمینداروں سے ان کی فاضل زمینیں کس اصول کے تحت واپس لی جائیں؟ اس لئے کہ خواہ کسی اور معاملے میں یہاں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا سوال نہ اٹھایا جاتا ہو' اور شریعتِ اسلامی کے اوامر و نواہی کو پوری شانِ استغناء کے ساتھ نظر انداز کر دیا جاتا ہو' جب بھی جاگیرداری اور زمینداری کا مسئلہ سامنے آتا ہے فوراً شریعت کی ڈھال سامنے کر دی جاتی ہے۔ اور اصولِ ملکیت اور اس کے جملہ لوازم کے ضمن میں اسلام کے خالص فقہی تصورات کی پناہ لے لی جاتی ہے۔

چنانچہ بعض لوگوں کو یہ تک کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ اصل میں پاکستان بنایا ہی نوابوں' وڈیروں' جاگیرداروں' اور بڑے زمینداروں نے تھا' اور ان کے پیش نظر قیامِ پاکستان سے صرف اپنے مفادات اور اپنی مراعات کے تحفظ کا مقصد تھا جو تا حال باحسنِ وجوہ پورا ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ انڈین نیشنل کانگرس ایک جانب خود بھی عوامی جماعت تھی' اور دوسری جانب اس کی قیادت پر سوشلزم کے نظریات اور تصورات کا غلبہ تھا' جبکہ مسلم لیگ بنیادی طور پر نوابوں اور نواب زادوں' اور

"سرداں" اور خان بہادروں کی جماعت تھی' جنہوں نے اسلام کے نعرے کو صرف اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر استعمال کیا۔ چنانچہ نتیجہ بھی عملی طور پر یہی نکلا کہ بھارت میں زمینداری آزادی کے فوراً بعد ختم کردی گئی' جبکہ پاکستان میں فیوڈل لارڈز تاحال کوسِ لمَنِ الملک بجا رہے ہیں۔

تو اگرچہ ان لوگوں کا یہ نظریہ تاحال تو "مطابقِ واقعہ" ہونے کی بنا پر بظاہر بہت درست نظر آتا ہے' لیکن اس کی جڑ ایک تو اس حقیقتِ واقعی سے کٹ جاتی ہے کہ نہ مصوّر و مفکر و مجوزِ پاکستان علامہ اقبال جاگیردار یا زمیندار تھے' نہ ہی بانی و معمار و مؤسّسِ پاکستان محمد علی جناح اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے' دوسرے ان شاء اللہ مستقبل ثابت کردے گا کہ پاکستان کا قیام مشیتِ الٰہی میں پوری نوع انسانی کے سامنے اسلام کے سماجی انصاف' اور عدل و قسط پر مبنی اجتماعی نظام کا ایک نمونہ پیش کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے' اور ان شاء اللہ جلد ہی اس "راہی" کو اپنی "بھولی ہوئی منزل" یاد آجائے گی اور یہ "بھٹکا ہوا آہو" بالآخر "سوئے حرم" روانہ ہو جائے گا! اللّٰھم آمین!

تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ سوال جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے پہلے بھی محض خیالی یا وہمی نہیں تھا بلکہ واقعی اور حقیقی تھا' اور ۱۹۹۰ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیلیٹ بینچ نے جو فیصلہ قزلباش وقف وغیرہ بنام چیف لینڈ کمشنر پنجاب وغیرہ نامی اپیل میں دیا تھا' اس نے تو اس سوال کو ہزار گنا زیادہ اہم بنا دیا ہے اور اگر اس مشکل کا کوئی حل تلاش نہیں کیا جاتا تو اس سے آئندہ کسی بھی نوعیت کی ادنیٰ سے ادنیٰ زرعی اصلاحات کا راستہ بھی ہمیشہ کے لئے مسدود ہو جائے گا۔

تو اگرچہ اس سوال کا جواب دینے' اور اس مشکل کو حل کرنے کی اصل ذمہ داری سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے ان نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے انتخابی منشوروں میں زمین کی ملکیت کو محدود کردینا شامل کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان جماعتوں کی جانب سے تاحال اس سوال کا کوئی جواب' اور

اس مشکل کا کوئی حل پیش نہیں کیا گیا' جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں ہرگز سنجیدہ نہیں ہیں' اور ان کے پیش نظر بھی سوائے سیاسی نعرہ بازی کے اور کچھ نہیں ہے! واللہ اعلم!!

بنابریں راقم الحروف اس بحث کا آغاز ان کالموں میں اس لئے کر رہا ہے کہ اس پر سنجیدہ غور و فکر اور گفت و شنید کا آغاز ہو' اور خصوصاً وہ اہلِ علم اور رجالِ دین اس پر پوری توجہ مرکوز کریں جو اس ملک میں نہ صرف واقعی طور پر اسلام کی سربلندی اور دین حق کے غلبہ و قیام کے آرزومند ہوں' بلکہ اس کے لئے اپنے ذہن و فکر اور سعی و عمل کی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر بھی آمادہ ہوں! بالخصوص ایسے اصحابِ علم و دانش آگے بڑھیں جو کتاب و سنت کے نصوص کی پابندی کے عزم مصمم کے ساتھ ساتھ صرف سلف کی اجتہادی آراء کے مقلّدِ جامد بن کر نہ رہ جائیں بلکہ شریعت کے اصل مقاصد و اہداف کو بھی پیش نظر رکھ سکیں' اور جُہد و جہاد کے جذبے سے سرشار ہونے کے ساتھ ساتھ قیاس و اجتہاد اور اس کے ضمن میں مصالحِ مرسلہ اور مفادِ عامہ کو بھی ملحوظ رکھ سکیں۔ اس لئے کہ حکمتِ قرآنی کا جو اصل الاصول سورۃ الرعد کی آیت ۱۷ میں بیان ہوا ہے' اس کے مطابق دوام اور بقاء صرف ان ہی چیزوں کو حاصل ہوتا ہے "جو لوگوں کے لئے مفید ہوں!" اور اس کے بغیر تمام وعظ و نصیحت اور ساری سیاسی نعرہ بازی زبان کا پھاگ اور منہ کا جھاگ بن کر رہ جاتی ہے جس کا مقدر ہی "سوکھ کر ختم ہو جانا" ہے!

اس تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے اولین حقیقت جو پیش نظر رہنی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ — اگرچہ قانونی اور فقہی سطح پر اسلام میں انسانی ملکیت کا تصور یقیناً موجود ہے' چنانچہ اسی پر وراثت' زکوٰۃ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ و نافلہ وغیرہ کے جملہ فقہی احکام مترتب ہوتے ہیں' تاہم واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی اساسی اور ایمانی تعلیمات کے مطابق یہ حقِ ملکیت اتنا مطلق' اتنا مقدس' اور

۱۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ

عرفِ عام میں اتنا "گاڑھا" نہیں ہے جتنا کہ سرمایہ دارانہ معیشت کے علمبردار خیال کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی اصل حیثیت صرف "حق و منع تصرف" کی ہے۔ یعنی کسی شے کے استعمال کا حق کسی ایک شخصِ معیّن کو حاصل ہو اور باقی سب کے لئے ممنوع ہو جائے!

چنانچہ قرآن حکیم کی اساسی تعلیمات کے مطابق کوئی انسان کسی دوسری شے تو کیا خود اپنے جسم و جان کا بھی مالک نہیں ہے' بلکہ اس کے وجود سمیت کائنات کی ہر شے کا مالکِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جسم و جان' زمین و مکان' مال و منال اور آل و اولاد سمیت ہر شے جو کسی بھی انسان کو حاصل ہوتی ہے اس کی ملکیت کی نہیں بلکہ اس کے پاس اللہ کی ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقولِ شیخ سعدیؒ۔

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست
در حقیقت مالکِ ہر شے خدا ست!

لہٰذا اِن اشیاء کے استعمال کا حق اور ان میں تصرف کا اختیار تو انسان کو حاصل ہے لیکن صرف ان قوانین و قواعد کے مطابق' اور ان حدود و قیود کے اندر اندر جو مالکِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے معیّن فرما دیئے ہیں۔

جبکہ اس کے برعکس "سرمایہ دارانہ" ذہنیت کی مکمل عکاسی قرآن حکیم میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگوں کے اس قول کی صورت میں کر دی گئی ہے: "اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا" "کہ ہم تصرف کریں اپنے اموال میں جیسے بھی ہم چاہیں!" (سورۂ ہود: آیت ۸۷)۔ بہرحال اسلام اس نوع کے مطلق اور مقدس حقِ ملکیت کا ہرگز قائل نہیں' اس کے نزدیک انسانوں کو جو حقِ ملکیت حاصل ہے وہ مقیّد اور محدود ہے۔

پھر خاص طور پر زمین کے ضمن میں یہ معاملہ ایک قدم مزید آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور ..... اگرچہ "اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ" یعنی "یقیناً زمین اللہ ہی کی ملکیت ہے!" (سورۃ الاعراف: آیت ۱۲۸) اور "وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ" یعنی "زمین کو اس نے

بچھادیا تمام مخلوقات کے لئے!" (سورۃ الرحمٰن: آیت ۱۰) اور "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" یعنی "وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے سب کچھ جو زمین میں ہے!" (سورۃ البقرہ: آیت ۲۹) اور اس مضمون کی دوسری بے شمار آیات سے زمین کی ذاتی ملکیت کے خلاف کوئی قانونی اور فقہی دلیل تو نہیں اخذ کی جاسکتی' تاہم ایک رہنما اصول ضرور حاصل ہوتا ہے جس کی نہایت خوبصورت تعبیر کی ہے علامہ اقبال مرحوم نے' یعنی:۔

"اِس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمین!"

اور۔

"دِہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں' تیری نہیں!
تیرے آباء کی نہیں' تیری نہیں' میری نہیں!"

اور۔

"رزقِ خود را از زمیں بردن رواست!
ایں متاعِ بندہ و مِلکِ خداست!"

یہی وجہ ہے کہ زمین کے بارے میں یہ شرعی ضابطہ سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ اگر کسی قطعۂ زمین کا "مالک" اسے بے کار پڑا رہنے دے اور اس میں کاشت نہ کرے تو ایک معیّن عرصے کے بعد اس کا "حقِ ملکیت" خود بخود ختم ہو جائے گا اور زمین ضبط کرلی جائے گی۔

اور اس سے بھی آگے بڑھ کر نہایت حسین و لطیف نکتہ وہ ہے جو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بیان فرمایا ہے کہ چونکہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میرے لئے پوری زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے[۲]!" لہٰذا پوری زمین کو "وقف" کی حیثیت حاصل ہے' اس لئے کہ مسجد وقف ہوتی ہے۔ (چنانچہ جملہ اوقاف کے مانند مسجد کے بھی صرف "متولی" ہوتے ہیں' مالک کوئی نہیں ہوتا!) (۲۔ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تاہم ان تمام نکات سے صرف اصولی رہنمائی اخذ کی جاسکتی ہے' قطعی اور قانونی جزئیات کا استنباط نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ کم از کم ہم اہلِ پاکستان کی حد تک اس مشکل مسئلے کا مکمل حل امیرالمومنین اور "خلیفۃُ خلیفۃِ الرّسول ﷺ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد میں موجود ہے جو آپؓ نے عراق' شام' ایران' اور مصر کے مفتوحہ ممالک کی اراضی کے بارے میں کیا تھا اور جس پر ابتدائی ردّوقدح' اور بحث ونزاع کے بعد "اِجماع" ہوگیا تھا۔ اور جس کی بنیاد پر شریعتِ اسلامی میں اراضی کی دو مستقل قسمیں قرار پاگئیں' یعنی (۱) عُشری جو انفرادی ملکیت میں ہوتی ہے اور جس کی پیداوار سے صرف عُشر یعنی دسواں حصہ یا نصفِ عشر یعنی بیسواں حصہ بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔ اور (۲) خراجی جو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت یا بالفاظِ دیگر بیت المال کی ملکیت ہوتی ہے۔ اور جس کی پیداوار میں سے کم وبیش نصف کی حد تک "خراج" کی صورت میں بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔

یہ واقعہ قاضی ابو یوسفؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ تالیف "کتاب الخراج" میں' جو انہوں نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی فرمائش پر تالیف فرمائی تھی' نہایت عمدہ اور مفید تفاصیل کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ ان مفتوحہ علاقوں کے بارے میں ایک رائے یہ تھی کہ ان کی تمام زمینیں جملہ باشندوں سمیت "مالِ غنیمت" کی حیثیت رکھتی ہیں جنہیں اس قانونِ غنیمت کے مطابق جو سورۃ الانفال میں بیان ہوا ہے (آیت ۴۱) مجاہدین میں تقسیم کردیا جانا چاہئے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کا صرف پانچواں حصہ بیت المال کی ملکیت قرار پاتا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوجاتے اور اس طرح تمام اراضی انفرادی جاگیریں بن جاتیں اور اس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ تاریخ انسانی کا

۲۔ قال النبی ﷺ: "جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا"... رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی والدارمی' عن علی بن ابی طالب و جابر ابن عبداللہ وعبداللہ بن عمرو وعبداللہ بن عباس وابی ھریرۃ وحذیفۃ بن الیمان وانس بن مالک وابی امامۃ وابی ذر الغفاری (رضی اللہ عنھم)

عظیم ترین جاگیردارانہ نظام قائم ہو جاتا، بلکہ ان ممالک کے تمام باشندے مسلمانوں کے شخصی "غلام" بن جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ذوقِ سلیم اور فہمِ عمیق نے اس صورت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، جس کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: "حق عمرؓ کی زبان پر بولتا ہے!"[۳] اور "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے!"[۴] چنانچہ ان کے انقلابی و اجتہادی مزاج اور عمیق اور مجتہدانہ فہمِ قرآن نے فیصلہ کیا کہ اموالِ غنیمت کا اطلاق صرف ان اموالِ منقولہ پر کیا جائے جو عین موقعِ جنگ پر حاصل ہوں، جیسے ہتھیار، سامانِ رسد، اور گھوڑے اور اونٹ اور دوسرے مال مویشی وغیرہ جبکہ اراضی اور دیگر اموالِ غیر منقولہ کو مالِ "فَے" قرار دیا جائے جس کا حکم سورۃ الحشر کی آیات ۶ تا ۱۰ میں بیان ہوا ہے یعنی یہ سب مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار پائیں اور ان کی آمدنی عوام کی فلاح و بہبود پر بھی خرچ ہو اور دفاعِ ملی اور دیگر امورِ مملکت میں بھی صرف ہو۔ بہرصورت کسی کی بھی انفرادی ملکیت تصور نہ ہو!

اس پر شدید ردّ و قدح اور بحث و نزاع کا بازار گرم ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے اختلاف کرنے والوں میں ابتداءً حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض ساتھی تھے، لیکن پھر انہیں بعض کبارِ صحابہؓ یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی دو حضرات یعنی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کی پرزور حمایت اور وکالت حاصل ہو گئی۔ جبکہ دوسری جانب بھی کبارِ صحابہؓ ہی کی ایک بڑی جماعت جس میں عشرہ مبشرہ میں سے بھی تین حضرات یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ حضرت عبداللہ

۳۔ عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ قال: سمعتُ رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ، یَقُوْلُ بِہٖ" ... رواہ ابو داؤد فی الخراج والإمارۃ

۴۔ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّاب" ... رواہ الترمذی، باب مناقب عمر بن الخطاب

ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسے عالمانِ کتاب و سنت بھی شامل تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق رکھتی تھی۔ اور اس نزاع کا فیصلہ بالآخر اس طرح ہوا کہ انصارِ مدینہ میں سے اوس اور خزرج دونوں قبیلوں سے تعلق رکھنے والے پانچ پانچ اکابر صحابہؓ کی ایک مجلس تشکیل دی گئی جو زراعت کے معاملات میں واقفیت اور مہارتِ تامہ کے حامل تھے (گویا اصطلاحِ جدید میں زراعت اور بندوبستِ اراضی کے ماہرین کا ایک کمیشن مقرر کیا گیا) جنہوں نے "بالاتفاق" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تصویب کی۔ اور اس طرح گویا اس امر پر "اجماع" ہو گیا کہ جو ملک یا علاقے بزورِ شمشیر فتح ہوئے ہوں ان کی اراضی کسی کی "انفرادی ملکیت" نہیں ہوں گی' بلکہ بیت المال کی ملکیت یا بالفاظِ دیگر مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار پائیں گی' جبکہ عشری یعنی انفرادی ملکیت میں داخل اراضی صرف ان علاقوں کی ہوں گی جہاں کے لوگ از خود لڑے بھڑے بغیر ایمان لے آئے ہوں' جیسے اہلِ یثرب' جو از خود یا محض دعوت و تبلیغ سے ایمان لائے تھے' اور پھر خود جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں لائے تھے۔ رضی اللہ عنہم و ارضاہم اجمعین!

اس ضمن میں "کتاب الخراج" کا حسب ذیل اقتباس بہت مفید ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اوس و خزرج کے مذکورہ بالا دس اکابر و اشراف کی گفتگو نقل کی گئی ہے۔ وَ ھُو ھٰذا:

"جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو آپؓ نے اللہ کی ایسی حمد و ثنا کی جس کا وہ مستحق ہے' اور پھر فرمایا:

"میں نے آپ حضرات کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر آپ کے معاملات کی ذمہ داری ہے' اس میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں۔ کیونکہ میں بھی آپ کی طرح ایک انسان ہوں۔ آج آپ حضرات کو حق متعین کرنا ہو گا۔ بعض لوگوں نے مجھ سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے اتفاق۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ حضرات بہرحال وہی رائے قبول کریں جو

میں نے اختیار کی ہے۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں نے کوئی بات کہی ہے جس پر میں عمل کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سے میرا ارادہ سوائے اتباعِ حق کے کچھ اور نہیں"۔

ان لوگوں نے کہا:

"امیرالمومنین! آپ فرمایئے' ہم سنیں گے (اور غور کریں گے)"

تو آپؓ نے فرمایا:

"آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں۔ میں ظلم کے ارتکاب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں' اگر میں نے کوئی ایسی چیز جو ان لوگوں کا حق تھی' ان کو نہ دی ہو اور دوسروں کو دی ہو' تو میں بڑا ہی بدبخت ہوں' لیکن میرا خیال ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کے بعد اب کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے جو فتح ہو۔ اللہ نے ان کے اموال' زمینیں اور کاشتکار ہمیں بطورِ غنیمت عطا کر دیئے ہیں۔ ان لوگوں کو غنیمت سے جو مال ملا تھا اسے تو میں نے اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے' اور پانچواں حصہ نکال کر اسے اس کے متعینہ مصارف میں تقسیم کر دیا ہے' بلکہ ابھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو مع کاشتکاروں کے سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور اس کے کاشتکاروں پر خراج عائد کر دوں اور ان پر فی کس جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اس طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لئے (ایک مستقل) "فَے" کا کام کرے گا جس کی آمدنی میں فوجی' کم سن افراد اور آنے والی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔ دیکھئے! ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہرحال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستقلاً وہاں رہیں۔ یہ بڑے بڑے علاقے' جیسے شام' الجزیرہ' کوفہ' بصرہ' مصر' ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم رکھنا اور ان کو وظائف دیتے رہنا ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشتکار تقسیم کر دیئے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے دیا جائے گا؟"

یہ سن کر سب نے کہا کہ:

"آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔ آپ نے جو فرمایا وہ خوب ہے' اور جو رائے قائم کی وہ بہت موزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لئے بطور تنخواہ کچھ مقرر نہ کیا جائے گا تو اہلِ کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے۔"

آخر میں آپؓ نے فرمایا: "اب مجھ پر معاملہ واضح ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ کون ایسا ماہر اور دانشمند ہے جو ان زمینوں کا مناسب طور پر بندوبست کر دے اور کاشت کاروں پر ان کی برداشت کے مطابق خراج تجویز کر دے۔" لوگوں نے بالاتفاق عثمان بن حنیف کا نام پیش کیا اور کہا: "آپ ان کو اس کام کا ذمہ دار بنا کر بھیج سکتے ہیں کیونکہ یہ صاحبِ فہم و بصیرت اور تجربہ کار انسان ہیں۔"

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا تاخیر ان کو علاقہ سواد کی پیمائش کے کام پر مقرر کر دیا۔" ("کتاب الخراج" ترجمہ: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی)

گزشتہ دورۂ امریکہ کے دوران

امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد کے تمام دروس و تقاریر

انگریزی زبان میں ہوئے۔ بالخصوص درج ذیل موضوعات پر امیر تنظیم کے خطاب باہتمام ریکارڈ کئے گئے اور اب ان کے آڈیو اور وڈیو کیسٹ تیار کر لئے گئے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1- حقیقت ایمان (What is I'man)	دورانیہ 6 گھنٹے
2- نظام خلافت (What is Khilafah)	دورانیہ 8 گھنٹے
3- حقیقت جہاد (What is Jihad)	دورانیہ 2 گھنٹے
4- حقیقت نفاق (What is Nifaq)	دورانیہ 2 گھنٹے
5- حقیقت شرک (What is Shirk)	دورانیہ 2 گھنٹے

یہ تمام کیسٹ انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے مراکز سے حاصل کئے جا سکتے ہیں!

خلافت' ملوکیت اور جاگیرداری

گذشتہ تین صحبتوں میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) اگرچہ انفرادی سطح پر جو بلند ترین نصب العین اسلام انسان کو عطا کرتا ہے وہ رضائے الٰہی اور فلاحِ اخروی کا حصول ہے' لیکن دنیا کی زندگی میں اجتماعی سطح پر اسلام کا بلند ترین مقصد یا ہدف' یا بالفاظِ دیگر نصب العین' سماجی انصاف اور نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام ہے!

(۲) سماجی انصاف کے ضمن میں اگرچہ اصولی طور پر معاشرتی سطح پر اولین اہمیت کامل انسانی مساوات اور باہمی اخوت کو حاصل ہے' اور سیاسی سطح پر یہی حیثیت حریت اور قانونی و دستوری برابری کو حاصل ہے' لیکن موجودہ دنیا میں سماجی انصاف کا اولین تقاضا جس پر باقی تمام امور کا کلی دار و مدار ہے معاشی عدل اور کم از کم "مواقع" کے اعتبار سے کامل مساوات ہے!

(۳) اگرچہ عہد حاضر میں عالمی سطح پر تو معاشی ظلم و استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ سرمایہ دارانہ معیشت کا وہ عالمگیر نظام ہے جس کی اساس "سرمایہ کے سود" پر قائم ہے' لیکن پاکستان چونکہ بنیادی طور پر زرعی معیشت کا حامل ملک ہے' لہٰذا یہاں معاشی جبر و استبداد' اور ظلم و استحصال کا سب سے بڑا مظہر "زمین کے سود" پر مبنی جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا نظام ہے جس کی بیخ کنی کے بغیر یہاں سماجی انصاف کا کوئی تصور تک نہیں کیا جا سکتا!

(۴) دورِ خلافتِ راشدہ کا سیاسی نظام چونکہ اللہ کی حاکمیت کے تحت اس کے فرمانبردار بندوں کی "اجتماعی خلافت" کا نظام تھا جس کی اصل اساس عدل و قسط پر قائم تھی' لہٰذا اگرچہ اس کے دوران وہ نازک مرحلہ بھی آیا جس پر ذرا سی غفلت یا ڈھیل سے تاریخِ انسانی کے عظیم ترین جاگیردارانہ نظام کی بنیاد قائم ہو جاتی لیکن ع "اللہ نے

بروقت کیا جس کو خبردار!" کے مصداق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اجتہادی بصیرت نے تمام مفتوحہ ممالک کی کُل اراضی کو خراجی یعنی تمام مسلمانوں کی "اجتماعی ملکیت" قرار دے کر اس کا کامل سدِباب کر دیا۔

لیکن افسوس کہ جیسے ہی خلافتِ راشدہ کا دور ختم ہوا' اور خلافت نے تدریجاً ملوکیت کی صورت اختیار کرنی شروع کی اس معاملے میں بھی زوال کا آغاز ہو گیا اور جو دروازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اجتہادی بصیرت اور بے مثال ہمت و جرأت سے بند کیا تھا آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری نے عالمِ اسلام میں قدم جمانے شروع کر دیئے!

یہاں یہ عرض کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے کہ جاگیرداری اور ملوکیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے' اور یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہو گا کہ جیسے بعض حشرات الارض (جیسے مثلاً کن کھجورا) کے سینکڑوں پاؤں ہوتے ہیں ایسے ہی جاگیردار اور "لینڈلارڈز" "ملوکیت' شہنشاہیت' اور "امپیریلزم" کے پاؤں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ غالباً اس سے بھی صحیح تر مثال برگد کے درخت کی اضافی جڑوں کی ہے کہ جیسے جیسے اس کا پھیلاؤ بڑھتا جاتا ہے اس کی شاخوں سے انسانی داڑھی کے سے انداز میں اضافی جڑیں نیچے اترنی شروع ہو جاتی ہیں جو زمین تک پہنچ کر اور اس میں قدم جما کر نہ صرف اضافی جڑوں کا کام دیتی ہیں جن سے زمین کی غذائیت درخت کو حاصل ہوتی ہے بلکہ ستونوں کی صورت اختیار کر کے اضافی سہارا بھی بن جاتی ہیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ ملوکیت اور شہنشاہیت کا ہے کہ یہ جیسے جیسے پھلتی اور پھیلنی شروع ہوتی ہے اپنے وفاداروں اور خدمت گزاروں کو جاگیر داری کی مسندیں اور منصب عطا کر کے انہیں کاشتکاروں کے استحصال کے ذریعے اور اپنے اقتدار کے سہاروں کی حیثیت دے دیتی ہے!

چنانچہ یہی حادثہ خلافتِ راشدہ کے خاتمے کے بعد عالمِ اسلام کو پیش آیا۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قولِ مبارک امام احمدؒ' امام ترمذیؒ اور امام ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ: "خلافت تیس برس تک رہے گی' اس کے بعد ملوکیت

کا آغاز ہو جائے گا!" اور امام احمدؒ نے آنحضور ﷺ کی ایک اور حدیث جو حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' اس میں آپ ﷺ نے اس ملوکیت کے ساتھ "کاٹ کھانے والی" یعنی ظالم اور غاصب کی صفت کا اضافہ فرمایا ہے[۶]۔ تو اگرچہ تاریخ اسلام میں خلافت کے پورے طور پر ملوکیت میں تبدیل ہونے میں تو لگ بھگ ایک صدی کا عرصہ لگا اس لئے کہ ملوکیت کے اصل ٹھاٹھ باٹھ پورے طور پر بنو عباسؓ کے دور میں شروع ہوئے تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے آثار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت ہی میں شروع ہو گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں اسلام کی تعلیمات کے ایک حصے پر پردے پڑنے کے اس عمل کا آغاز ہو گیا تھا جس کا تذکرہ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الٰہ آباد میں ان الفاظ میں کیا تھا کہ: "میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گی۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرے پر جو پردے عرب امپیریلزم کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کی اصل تعلیمات کی ایک عملی صورت دنیا کو دکھا سکیں!"

واضح رہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ اور خواہ اسے۔

"مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا!"

کے مصداق ہی قرار دیا جائے' بہرحال میری سوچی سمجھی اور پختہ رائے یہ ہے کہ ان کی

۵۔ عن سعید بن جمهان قال حدثنی سفینة (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول الله ﷺ: "اَلخِلَافَةُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْکٌ بَعْدَ ذٰلِکَ"... ثم قال لی سفینة: اَمْسِک خلافةَ ابی بکر' ثم قال و خلافةَ عمر و خلافة عثمان' ثم قال امسک خلافة علی' فوجدناها ثلاثین سنة - رواه الترمذی فی الفتن' باب ما جاء فی الخلافة - و رواه ابو داؤد فی السنة' باب فی الخلفاء

۶۔ حدیث کے الفاظ ہیں: "....ثُمَّ تکون مُلکًا عَاضًّا.....

نیت پر شک کرنا محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر اپنے ایمان کو مشکوک بنانے کے مترادف ہے' اس لئے کہ اگرچہ وہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے تاہم اس کے بعد پورے ڈھائی سال تک نہ صرف یہ کہ آنحضور ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے بلکہ "کاتبِ وحی" کی اہم اور نازک ذمہ داری تک کے اہل قرار پائے۔ بنابریں یہ گمان کہ ان کا تزکیۂ نفس اور تصحیح نیت نہیں ہو پائی تھی مزکیٔ اعظم ﷺ پر طعن کی حیثیت رکھتا ہے ---- تاہم دوسری جانب اس حقیقت سے صَرفِ نظر بھی نہ حقائق و واقعات کے اعتبار سے ممکن ہے' نہ نصوصِ حدیثِ نبوی ﷺ کی رُو سے درست ہے' کہ ان کا دورِ حکومت دورِ خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں ہے۔ اور خواہ یہ خالص "حالات کے جبر" اور مصالحِ اُمت ہی کے تقاضوں کے تحت ہوا ہو' بہرحال واقعہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے ایک حصے کے پردے کے پیچھے چھپ جانے یا بالفاظِ دیگر اس سورج کو گہن لگ جانے کا عمل ان ہی کے دورِ حکومت سے شروع ہو گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے جسے امام بخاریؒ نے "کتاب العلم" میں روایت کیا ہے کہ:

"حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وِعَائَین' فَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ فِیْکُم' وَاَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہٗ قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ"

"میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے (علم کے) دو برتن حاصل کئے۔ تو ان میں سے ایک کو تو میں نے تمہارے مابین خوب عام کر دیا ہے' لیکن اگر دوسرے کو عام کر دوں تو میری گردن کاٹ دی جائے گی!"

(واضح رہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا زیادہ سے زیادہ ۵۹ھ میں گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال قبل ہو گئی تھی۔) تو اگرچہ اس قول میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ دو برتن کون سے ہیں' تاہم یہ بات بادنیٰ تأمل سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس علم کے عام کئے جانے سے کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا تھا لہٰذا اس کے عام کرنے والے کو بھی کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا وہ تھا نماز'

روزہ' زکوٰۃ اور حج' یعنی عبادات کے مسائل یا نکاح و طلاق وغیرہ کے مسائل کا علم--- اور جس علم سے مراعات یافتہ طبقات کے مفادات پر آنچ آسکتی تھی' چنانچہ اس کے عام کرنے والے کی ذات کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا' وہ تھا نظامِ حکومت اور عُمّالِ حکومت' اور زمینداری اور جاگیرداری سے متعلق اصولی اور تفصیلی ہدایات کا علم!

قصہ مختصر' جیسے ہی عالمِ اسلام میں ملوکیت نے جڑیں جمانی شروع کیں جاگیرداری کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد چالیس سالوں کے دوران اس خباثت نے اپنی جڑیں جتنی کچھ پھیلالی ہوں گی اس کا اندازہ ہرگز مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی اس حدیثِ مبارک کے مطابق کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا [1]

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے اولوالعزم لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو از سرِ نو تازہ کردیں گے!"

پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز پر جو مجددِ اول (اور تا حال اعظم بھی! اس لئے کہ وہ واحد مجدد تھے جو صاحبِ اختیار و اقتدار بھی تھے اور جن کے ذریعے صرف علمی و فکری تجدید اور عقائد و اخلاق کی اصلاح نہیں بلکہ نظامِ حکومت کی اصلاح ہوئی!) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوتی کے صاحبزادے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) "مبعوث" ہوئے' تو انہوں نے جہاں ایک جانب اپنی "نامزدگی" سے اظہار براءت کیا اور منصبِ حکومت صرف اُس وقت اختیار کیا جب لوگوں نے کہا کہ ہم اپنی آزادانہ مرضی سے آپ کی خلافت قبول کرتے ہیں' وہاں دوسری جانب جو اہم ترین تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا وہ یہی تھا کہ جاگیروں کے وثیقے اور دستاویزات منگوا کر چاک کردیں اور اس طرح کم از کم ایک بار تو پھر نظامِ اسلام کو "زمین کے سود"

---

[1] عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ - اخرجہ ابو داؤد فی الملاحم' باب ما یذکر فی قرن المائۃ' واسنادہٗ صحیح' ورواہ ایضا الحاکم و صححہ ووافقہ الذھبی

سے پاک کر دیا!

محترم صاحبزادہ عبدالرسول صاحب نے اپنی تالیف "تاریخ اسلام" میں اس سلسلہ میں ایک مکالمہ نقل کیا ہے کہ: "یہ حالت دیکھ کر بنوامیہ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے ہشام (بن عبدالملک جو خود بھی چند سال بعد حکمران بنا) کو اپنا نمائندہ بنا کر آپؒ کے پاس بھیجا۔ اس نے آپؒ سے کہا کہ آپ اپنے عہد میں جو چاہیں کریں لیکن جو کام پچھلے خلفاء کر گئے ہیں انہیں اپنی حالت پر رہنے دیں۔ آپؒ نے جواب دیا کہ اگر ایک ہی معاملے میں تمہارے سامنے دو دستاویزات ہوں' ایک امیر معاویہؓ کی اور دوسری عبدالملک کی' تو تم کس پر عمل کرو گے؟ اس نے کہا قدیم دستاویز پر! اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس قدیم دستاویز کتاب اللہ ہے' میں اس پر عمل پیرا ہوں!"---اور ظاہر ہے کہ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا تھا جس کی رگوں میں' خواہ صرف والدہ ماجدہ ہی کی جانب سے سہی' کسی نہ کسی درجے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خون بھی دوڑ رہا تھا!

تاہم حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا عہدِ خلافت ع "خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود!" کی مثال تھا۔ ان کو زہر دے کر شہید کرنے کے بعد' بنوامیہ کے بقیہ تیس سالہ دور حکومت اور اس کے بعد دولتِ بنی عباسؒ کے دوران "عرب امپیریلزم" کے سائے میں جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا شجرِ خبیثہ خوب پھلا پھولا۔ اور اگرچہ فقہ اسلامی کے دونوں سلسلوں یعنی اصحابِ حدیث اور اصحابِ رائے و قیاس کے "ائمین اولین" یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام دارالہجرت مالک ابن انسؒ نے "مزارعت" کو حرام مطلق قرار دے کر اس شجرۂ خبیثہ کی جڑ پر بھرپور تیشہ چلایا اور کاری وار کیا' اور اس کے نتیجے میں قید و بند اور زدوکوب کی صعوبتیں برداشت کیں' لیکن جیسے جیسے ملوکیت اور جاگیرداری کی جڑیں زمین میں گہری اترتی گئیں حالات کے جبر' اور "نظریۂ ضرورت" کے عمل دخل کا ظہور ہوا اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگردِ رشید قاضی ابو یوسفؒ نے جہاں "قاضی القضاۃ" کا وہ عہدہ بھی قبول فرما لیا جس کو قبول کرنے سے ان کے مربی اور استاذؒ نے سختی کے ساتھ انکار کر کے تشدد و تعذیب کو

دعوت دی تھی' وہاں انہوں نے امام صاحب کے دوسرے شاگرد امام محمدؒ کے اتفاقِ رائے کے ساتھ مزارعت پر کچھ شرائط عائد کرکے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ بھی دے دیا---بعد میں وہ شرائط تو طاقِ نسیاں کے حوالے ہوگئیں اور پورے عالمِ اسلام میں "مزارعت" شیرِمادر کی مانند حلال و طیب ہوگئی اور اس طرح شہنشاہیت اور جاگیرداری کو دوام و استحکام حاصل ہوگیا! (کچھ ایسا ہی معاملہ فقہِ اسلامی کی دوسری عظیم شاخ یعنی اصحابِ حدیث کے ساتھ بھی پیش آیا۔ یعنی امام مالکؒ کے شاگرد امام شافعیؒ نے تو کھلے کھیت میں مزارعت کی حرمت کے فتوے کو برقرار رکھتے ہوئے صرف باغ کے تابع کھیت میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا' لیکن ان کے بعد امام احمدؒ اور امام بخاریؒ وغیرہم نے اسے بالعموم جائز قرار دے دیا! گویا ع "متفق گردید رائے بُوعلی بارائے من!" کے مصداق کم از کم جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے معاملے میں یہ دونوں متحارب سلسلہ ہائے فقہ متفق ہوگئے۔)

کچھ اسی قسم کا معاملہ بزورِ شمشیر فتح ہونے والے علاقوں کی اراضی کو "بیت المال کی ملکیت" میں برقرار رکھ کر ان سے حاصل شدہ خراج کو دفاع اور دیگر انتظامی ضروریات اور سب سے بڑھ کر عامۃ المسلمین اور عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لئے وقف رکھنے کی بجائے منظورِ نظر اشخاص و افراد کو جاگیروں کی صورت میں دے کر ان کی ذاتی ملکیت قرار دینے کے معاملے میں ہوا۔ جس کے لئے دلیل نبی اکرم ﷺ کے اس معاملے سے لائی گئی جو آپؐ نے ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد وہاں کے یہودیوں کے ساتھ کیا تھا۔ حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اقدام اپنے دورِ خلافت میں کیا وہ فتح خیبر کے کم و بیش دس سال بعد کا واقعہ ہے۔ اور جبکہ یہ معلوم ہے کہ ان کی رائے پر ردّ و قدح اور بحث و نزاع کا بازار پوری طرح گرم رہا تھا' جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں دی جاچکی ہے' تو یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ جو حضرات مفتوحہ اراضی کو مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم کرنے کے حق میں تھے انہوں نے آنحضور ﷺ کے معاملۂ خیبر کو دلیل کے طور پر پیش نہ کیا ہو۔ اور اگرچہ ہمارے پاس اس رد

وقدح اور بحث و نزاع کا کوئی مفصل ریکارڈ محفوظ نہیں ہے' تاہم یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ اس دلیل کا ردیقیناً کسی زیادہ وزنی دلیل ہی سے کیا گیا ہو گا۔ ورنہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضور ﷺ کے انتقال کے صرف چند سال بعد دورِ خلافتِ راشدہ ہی میں آپ ﷺ کے طرزِ عمل کے برعکس معاملے پر اتفاق ہو جاتا۔ رہی یہ بات کہ وہ دلیل کیا تھی تو قرائن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد اسی امرِ واقعی پر ہو گی کہ خیبر کا معاملہ سود کی آخری اور قطعی حرمت والی آیات کے نزول کے لگ بھگ ڈھائی سال قبل کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حرمتِ ربٰوا کے حکم نے جملہ مالی معاملات اور اقتصادی امور کے ضمن میں صورت حال کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ چنانچہ متعدد احادیث اس پر گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے مزارعت کے معاملے کو بھی "ربٰوا" قرار دیا۔ اور چونکہ ان آیاتِ مبارکہ کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ دنیوی بہت مختصر رہی لہٰذا حرمتِ ربٰوا کی زد کن کن معاملات پر پڑتی ہے اس کی پوری تفصیل صحابہ کرامؓ پر واضح نہیں ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِنَّ آخِرَ مَا نَزَلَتْ آیَۃُ الرِّبَا' وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قُبِضَ وَلَمْ یُفَسِّرْ لَنَا' فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّیْبَۃَ"[۸]

"قرآن میں جو آیات بالکل آخر میں نازل ہوئیں ان میں آیتِ ربا بھی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا جبکہ ابھی آپ ﷺ نے اس آیت کی پوری تفسیر ہمیں نہیں سمجھائی تھی۔ پس نہ صرف ربا کو ترک کر دو' بلکہ جس معاملے میں رِبا کا شک اور شائبہ بھی پیدا ہو جائے اسے بھی ترک کر دو"

بہرحال یہ ہے وہ تاریخی پس منظر جس میں دورِ ملوکیت میں مرتب ہونے والی فقہ کے مالی اور معاشی مسائل میں ایک جانب بیع مؤجّل اور بیع مرابحہ کے جواز کے راستے سے "سرمایہ کا سود" تو دبے پاؤں بالکل غیر محسوس انداز میں داخل ہو گیا (بیع مؤجل اور بیعِ مرابحہ پر ان شاء اللہ آئندہ کبھی تفصیلی گفتگو ہو گی۔) رہا "زمین کا سود" تو وہ تو

---

[۸] عن سعید بن المسیبؒ - رواہ ابن ماجہ فی التجارات' باب التغلیظ فی الربا' واسنادہ صحیح

حسبِ ذیل فتوے کی رُو سے پورے دھڑلّے کے ساتھ پورے عالمِ اسلام میں رائج ہوگیا کہ "پس حکمران کو اختیار ہے کہ چاہے تو مفتوحہ اراضی کو مالِ غنیمت کے طور پر فاتحین میں تقسیم کردے جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے معاملے میں کیا تھا یا چاہے تو وہ معاملہ کرے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوادِ عراق کے ضمن میں کیا تھا" (المبسوط) اس لئے کہ اس فتوے کے ذریعے جاگیرداری جائز ہوگئی جس کا سارا دارومدار ہی مزارعت پر ہے' جو زمین کے ربُوا کی حیثیت رکھتی ہے۔

اوپر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا جو قول "علم کے دو برتنوں" کے ضمن میں نقل ہوا ہے اس کی حقیقت مزید اجاگر ہو جائے گی اگر یہ بات پیش نظر رہے کہ ایک مجلس کی تین یا تین سے بھی زائد طلاقوں کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ جو ایک رعایت اور نرمی فرمایا کرتے تھے اسے حضرت عمرؓ نے مصلحتِ اُمت کے پیش نظر اپنے ایک اجتہادی فیصلہ سے ختم کردیا تو اس پر تو اہلِ سنّت کے چاروں مکاتبِ فقہ کا اس درجہ عزم بالجزم کے ساتھ اصرار ہے کہ کسی بھی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی رعایت کو دوبارہ جاری کرنے پر آمادہ نہیں ہیں' لیکن جاگیرداری اور زمینداری کے مسئلے میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد اور اس پر اُس وقت کے "اِجماع" کو رد کرکے حضور ﷺ کے معاملۂ خیبر پر عمل کرنے کے اختیار کو حاکمِ وقت کے لئے تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر "اجماع" کوئی خالص تصوراتی بلکہ وہمی شے نہیں ہے بلکہ اس کا کوئی واقعی وجود ممکن ہے تو وہ یا تو صرف دورِ خلافتِ راشدہ کا اجماع ہی ہو سکتا تھا جب پورا عالمِ اسلام ایک سیاسی وحدت تھا' یا پھر قیامت کے قریب اُس وقت ممکن ہوگا جب آنحضور ﷺ کی پیشینگوئی کے مطابق تمام روئے ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النّبوت یعنی اسلام کے "جسٹس ورلڈ آرڈر" کا نظام قائم ہو جائے گا۔

تاہم میری ان معروضات کو نہ مفتیانِ کرام کی توہین پر محمول کیا جائے' نہ فقہائے عظام کی تنقیص پر' بلکہ جیسے کہ سطورِ گزشتہ میں عرض کیا گیا تھا' مقصود صرف یہ ہے کہ ان مسائل پر بحث و گفتگو کا آغاز ہو۔ اور مصالح مرسلہ اور مفادِ عامہ کو پیش نظر رکھتے

ہوئے افہام و تفہیم کے ذریعے آئندہ کے لئے راہیں معین کی جائیں۔

البتہ یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ اگر اُس دور میں جبکہ ابھی ملوکیت بھی جڑیں پکڑ ہی رہی تھی، اور "کسرائے عرب" یا "کسرائے اسلام" بھی ایک جلیل القدر صحابی (حضرت معاویہؓ) تھے، ایک دوسرے جلیل القدر صحابی (حضرت ابو ہریرہؓ) کو اپنی اس بشری کمزوری کے اعتراف میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل شدہ علم کے ایک برتن کا منہ جان کے خوف سے بند کر رکھا ہے، تو اس کے سوڈیڑھ سو برس بعد جبکہ ملوکیت بھی اپنی پوری شان اور کرّ و فر کے ساتھ جلوہ گر ہو چکی تھی، اور "قرونٌ مشھودٌ لھا بالخیر" (یعنی وہ ادوار جن کے خیر کے حامل ہونے کی گواہی خود آنحضور ﷺ نے دی ہے) کا زمانہ بھی بیت چکا تھا، علمائے اسلام اور فقہائے کرام کا حالات کے جبر سے متاثر ہو جانا ہرگز نہ بعید از قیاس ہے نہ ان کے لئے موجبِ توہین!

بہرحال، جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے ظالمانہ اور استحصالی نظام سے نجات پانے کی واحد شرعی راہ یہ ہے کہ شمشیرِ فاروقیؓ کو بے نیام کیا جائے۔ اور حضرت عمرؓ کے اجتہاد کے مطابق (جس پر کم از کم اُس وقت اجماع بھی ہو گیا تھا) تمام مفتوحہ ممالک کی اراضی کو "خراجی" یعنی بیت المال یا مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا جائے جو کسی کی انفرادی ملکیت میں ہیں ہی نہیں کہ وہ سارے مسائل پیدا ہوں جو سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ کے فاضل جج صاحبان نے اپنے فاضلانہ فیصلوں میں اٹھائے ہیں۔ بنابریں اب تک مسلمان حکمرانوں یا غیر مسلم حاکموں نے جن جن لوگوں کو جاگیریں عطا کی تھیں ان سے جو استفادہ وہ اب تک کر چکے ہیں اس کو "فَلَہٗ مَا سَلَفَ" (سورۃ البقرہ: آیت ۲۷۵) کا مصداق قرار دے کر (یعنی: "جو گذر چکا وہ ان کو معاف ہے!") آئندہ ایک ایسے نئے بندوبستِ اراضی کا اہتمام کیا جائے جس سے سماجی انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوں، عوام کی عظیم اکثریت کی معاشی حالت بھی بہتر ہو، زمین کی پیداوار میں بھی اضافہ ہو، اور قوم اور ملک کو بھی استحکام حاصل ہو۔

اس ضمن میں دو باتیں مزید انشراح کا ذریعہ بن سکتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اس صدی یعنی بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک جو ممالک خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں تھے' ان میں یہی بندوبستِ اراضی رائج تھا کہ تمام اراضی سرکاری ملکیت میں تھیں اور کاشتکاری بھی "موروثی مزارعت" کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ ایک کاشتکار کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں کو از سرِ نو پروانۂ کاشتکاری حاصل کرنا ہوتا تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ ہندوستان کے گزشتہ صدی کے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے نامور شیخ اور عظیم ترین مفسر' محدّث اور فقیہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (صاحبِ تفسیرِ مظہریؒ) نے اپنی مشہورِ زمانہ تالیف "مَالا بُدّ منہ" میں صاف تحریر فرمایا ہے کہ "چونکہ اس ملک میں زمینیں عُشری نہیں (بلکہ خراجی) ہیں' لہٰذا اس کتاب میں عُشر اور عاشِر (یعنی عشر وصول کرنے والے تحصیل داروں) کے احکام بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!" واضح رہے کہ یہ کتاب فقہ حنفی کے قاعدے یا پرائمر کی حیثیت سے تمام مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔

آخر میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت بینچ کے متذکرہ بالا فیصلے پر جو فاضلانہ تبصرہ ملک کے ایک ماہر قانون دان جناب سردار شیر عالم صاحب نے کیا ہے' جو پاکستان لاء جرنل کی اشاعت بابت مارچ ۱۹۹۳ء میں "قراردادِ مقاصد اور عدلیہ کا کردار!" کے عنوان سے شائع ہوا ہے[۹] اس کے حسب ذیل دو اختتامی اور اختتامی جملے ہدیۂ قارئین ہیں:

(1) "In Qazilbash Waqf case, the Land Regulation of 1972 and land Reforms Act of 1977 which fixed the ceiling for land holding were struck down on the basis of repugnency to Islam. The court broke through the protective stonewall

---

۹۔ مذکورہ بالا مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اسے ماہنامہ میثاق میں بالاقساط شائع کیا جا رہا ہے۔ پہلی قسط جنوری ۹۴ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔

erected by Articales 253, 8(3), (24), 268(2), 269 and reinforced by Article 203B(c) of the Constitution."

(2) "Now the situation is that the judicial pronouncement of the Supreme Court has struck down the land reforms as un-Islamic and thus defeated the operation of so many constitutional provisions including 253(2). But it remains an open question even now as to which one should prevail, the effect of a constitutional provisions i.e. 253(2) or the effect of judicial pronouncement."

کاش کہ سپریم کورٹ آف پاکستان اپنے اس فیصلے پر از خود نظرثانی کرنے کا فیصلہ کرے۔ اللہم آمین!

رمضان المبارک کی اہمیت اور فضیلت

تحریر: لطف الرحمٰن خان

اس مختصر کتابچہ میں رمضان کی اہمیت اور فضیلت کو اجاگر کرنے کے لئے ایسا عام فہم انداز اختیار کیا گیا ہے جو ہمارے ذہن اور عقل کو اپیل کرتا ہے۔ نیز اس میں رمضان المبارک میں ذکر اور ورد کرنے اور شب قدر میں نوافل پڑھنے کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ قیمت چھ روپے۔

چھ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر کتابچہ طلب کریں۔ حصول ثواب کی غرض سے نمازیوں میں تقسیم کرنے کے لئے ۲۵ یا اس سے زائد کتابچوں کے آرڈر پر ۳۳ فیصد رعایت۔ آرڈر کے ساتھ پوسٹل آرڈر / بنک ڈرافٹ موصول ہونے کی صورت میں ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا۔ وی پی بھیجنے کی صورت میں ڈاک خرچ خریدار کے ذمہ ہوگا۔

مکتبہ سراج منیر۔ 287/F، رحمان پورہ، لاہور۔ (پوسٹ کوڈ۔ 54600)

فون نمبر 7573470

"در تاب مشوجاناں در گفتہ خطا افتد"

ماہنامہ "المرشد" کے مدیر کے نام

مختار حسین فاروقی' ناظم حلقہ جنوبی پنجاب تنظیم اسلامی' کی گزارشات

اسلام ایک دین ہے اور مکمل نظام زندگی' یعنی زندگی کے گوناگوں اور متنوع شعبوں (Walks of Life) میں اپنی برتری اور نفاذ کا داعیہ رکھتا ہے۔ اسی لئے اس کی خدمت کے بھی بے شمار محاذ سیکٹر (Sector) ہیں۔ جذبۂ صادق اور امتِ مسلمہ کا درد ہو تو ہر شعبہ میں ہونے والا کام دوسرے شعبہ کے افراد کے لئے مؤید اور معاون ہو گا اور بدقسمتی سے سوءِ ظن اور تمسخر و استہزاء جگہ پالیں تو وہی تو ہیں جن کا رخ دشمنانِ اسلام اور ملحدین کے خلاف ہونا چاہئے وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف آگ برسانا شروع کر دیتی ہیں۔

تصوف کا شعبہ اور اس کے متوسلین میں ہمارے نزدیک بہت سے گوہرِ نایاب پوشیدہ ہیں۔ عہد حاضر کی عام بیداری اور مسلم امت میں Fundamentalists کی سرگرمیوں کے نتیجے میں اسلامی انقلاب' حکومت الٰہیہ' نظامِ مصطفیٰ ﷺ' اور رب کی دھرتی رب کا نظام کا غلغلہ اب حجروں اور محرابوں سے نکل کر گلی کوچوں تک آ چکا ہے۔ تصوف کے حلقے سے ذکر و مراقبہ سے بڑھ کر میدانِ عمل میں آ کر باطل کو للکارنا اور امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کے فریضہ کا احساس و ادراک نہایت خوش آئند ہے' چشم ما روشن' دلِ ما شاد۔

حالیہ دنوں میں محترم و مکرم جناب مولانا اللہ یار خان صاحب کے معروف سلسلہ سے مخدومی جناب مولانا محمد اکرم اعوان صاحب مدّ ظلہٗ کا "الاخوان" کے نام سے حالیہ کاوشوں اور "المرشد" میں جگہ پانے والی دیگر تحریروں کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ؎

آپ ہی طرزِ تغافل پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

کے مصداق تصوف کے دیگر اعاظم واکابر بھی اسی میدان کو اپنی سعی وجہد کا میدان قرار دیں گے۔ ہم تو ان کی خدمت میں فیض لدھیانوی کا یہ شعر ہی پیش کرسکتے ہیں۔۔

آ چھوڑ کے میدان میں تسبیح و مصلیٰ
کچھ دن کے لئے طرز عبادت کو بدل ڈال

"الرشد" کے حالیہ شمارہ میں جناب مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کے خطاب میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بارے میں ایک خلاف واقعہ بات احاطہ تحریر میں آگئی ہے کہ جناب طاہر القادری صاحب مدظلہ' اور دیگر سیاسی جماعتوں اور اشخاص کی طرح ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ بھی انتخابات کی سیاست میں آئے اور پِٹ گئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ان کی جماعت تنظیم اسلامی نے کبھی رائج الوقت انتخابات کی سیاست میں قدم ہی نہیں رکھا اور ان کا کوئی رفیق (ممبر) الیکشن میں کھڑا ہونا تو دور کی بات ہے کسی کی انتخابی مہم میں حصہ بھی نہیں لے سکتا ہے۔

امید ہے کہ یہ واقعی تصحیح ہمارے درمیان مزید قرب اور تعاون کا ذریعہ بنے گی اور کیا عجب کہ دین کے خدمت گار آپس کی غلط فہمیاں اور شکر رنجیاں دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ امید ہے کہ "الرشد" بھی اس کو فراخ دلی سے قبول کرے گا اور اس کو تنقید اور عیب جوئی کا درجہ نہیں دے گا۔ بقول حافظ ع

در تاب مشو جانا از در گفتہ خطا افتد ا

○

ضرورت رشتہ

صوم وصلوٰۃ کی پابند دو تعلیم یافتہ لڑکیوں' ایک ۱۷ گریڈ میں زیر ملازمت اور ایک ایم بی بی ایس کے آخری سال میں' کے رشتے دینی مزاج کے حامل' اعلیٰ تعلیم یافتہ' برسر روزگار گھرانوں کے لڑکوں سے درکار ہیں۔ والد اعلیٰ عہدہ سے فارغ اور آج کل وفاقی حکومت سے وابستہ ہیں۔ زبان اور صوبے کی قید نہیں۔

برائے رابطہ: ا-ن معرفت معتمد ذاتی امیر تنظیم اسلامی' ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

○

تنظیم اسلامی کے تحت

دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

(۱)

سیالکوٹ، منعقدہ ۶-۷ جنوری ۱۹۹۴ء

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام محترم عبدالرزاق صاحب ناظم حلقہ لاہور کی زیر امارت سیالکوٹ کے لئے ترتیب دیا گیا۔ یہ پروگرام اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل تھا کہ اس میں تنظیم اسلامی لاہور جنوبی کے امیر جناب قمر سعید قریشی صاحب اور ناظم فیاض حکیم صاحب کے علاوہ تین نقباء اور تین ہی رفقاء بھی شامل تھے۔ یعنی کل ملا کر ۸ رفقاء صرف لاہور جنوبی سے شامل تھے، جبکہ لاہور کی دیگر تنظیموں سے مزید ۱۰ رفقاء بھی اس قافلہ حق میں شرکت کے لئے مرکز گڑھی شاہو پہنچ چکے تھے۔ حسب پروگرام نماز فجر کے بعد سامان وغیرہ کو دو گاڑیوں میں رکھنے کے بعد ٹھیک ۸ بجے صبح ۱۸ رفقاء پر مشتمل یہ قافلہ اپنے ہدف کی طرف عازم سفر ہوا۔

شہر کی ٹریفک کے شور سے نکلتے ہی محترم قمر سعید قریشی صاحب نے ساتھیوں کی توجہ دعائے سفر کی طرف مبذول کروائی اور جن کو یاد نہ تھی ان کو یاد کروائی۔ اس کے بعد راقم نے ۱۲ سیٹر ویگن میں موجود رفقاء کو سورۃ النور کی آیت ۵۵ حلقہ کا انداز اختیار کر کے یاد کروائی۔ اس طرح سفر کے وقت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ مند بنانے کی کوشش کی گئی جو الحمد للہ بہت کامیاب رہی۔

ڈسکہ کے مقام پر رفیق محترم مرزا ندیم بیگ بھی اس قافلہ میں شامل ہو گئے۔ تقریباً دس بج کر پندرہ منٹ پر ہم شہر سیالکوٹ میں داخل ہوئے جہاں محترم قمر سعید قریشی صاحب کی ذاتی کوششوں سے جامع مسجد چاہ جٹاں محلہ کریم آباد میں قیام کا انتظام پہلے ہی سے ہو چکا تھا۔ وہاں مقامی تنظیم کے رفقاء اس کارواں کی نصرت کے لئے موجود تھے۔

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر امیر کارواں محترم عبدالرزاق صاحب نے دو دن کے پروگرام کی تفصیلات بیان کیں اور عمومی ہدایات دیں، جس کے مطابق دوپہر ۱۲ بجے سے ڈھائی بجے تک "فرائض دینی کے جامع تصور" کے زیر عنوان مذاکرہ ہوا۔ بعد ازاں عصر تک آرام کے لئے وقفہ ہوا۔ پروگرام کے مطابق تنظیم و تحریک کو متعارف کرانے کے لئے عصر تا مغرب بڑے بھرپور

انداز میں سیالکوٹ کے بارونق بازاروں میں ٹی بورڈ مہم چلائی گئی جس کے ناظم فیاض حکیم صاحب تھے۔ مہم کے دوران مرزا ندیم بیگ صاحب اور فیاض حکیم صاحب نے مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر اہل سیالکوٹ کو موجودہ تلخ حقائق کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے تحریک خلافت میں شمولیت کی دعوت دی۔

نماز مغرب کے متصلاً بعد محترم عبدالرزاق صاحب نے نظام خلافت کے موضوع پر مسجد ہی میں تقریر کی جو تقریباً پینتالیس منٹ جاری رہی۔ بعد ازاں رفقاء کے لئے تربیتی پروگرام عشاء تک جاری رہا۔ عشاء کے بعد محترم قمر سعید قریشی صاحب نے "کارکن کے اوصاف" کے موضوع پر بہت پراثر اور جامع گفتگو کی جو انتہائی توجہ سے سنی گئی۔ اس ایمان افروز تقریر کی تاثیر کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ دو روزہ میں شریک اٹھارہ رفقاء میں سے گیارہ رفقاء نے جن میں قریشی صاحب خود بھی شامل تھے ہر ماہ دو روزہ لگانے کے لئے اپنے نام لکھوائے۔ اس پروگرام کے بعد رات دس بجے تک محترم فیاض حکیم صاحب نے رفقاء کی یاد دہانی کے لئے تنظیم اسلامی کے نظام العمل کے کچھ حصے پڑھ کر سنائے اور فضائل تہجد پر گفتگو کی۔

اگلے دن تمام رفقاء صبح چار بجے بیدار ہو کر نماز فجر تک نوافل اور تلاوتِ کلام پاک میں مشغول رہے۔ نماز فجر کی خاص بات جمعہ کی مناسبت سے امام مسجد کی نماز کے دوران سورۃ السجدہ اور سورۃ الدھر کی تلاوت تھی۔ فی زمانہ یہ سنتِ نبوی ﷺ نہایت کمیاب ہے۔ نماز فجر کے بعد محترم عبدالرزاق صاحب نے سورۃ التوبہ کی آیات ۱۱۰ اور ۱۱۱ کا درس دیا۔ صبح ۹ بجے کا وقت خصوصی دعوت پر آنے والے احباب کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ مقامی ساتھیوں نے دوست احباب کو خصوصی دعوت پر اس پروگرام میں شرکت کے لئے بلایا تھا۔ ۲۳ نوجوان اس پروگرام میں شرکت کے لئے آئے۔ محترم عبدالرزاق صاحب نے تنظیم کے مختصر تعارف کے بعد محترم فیاض حکیم صاحب کو فرائض دینی کے جامع تصور پر خطاب کی دعوت دی۔ موصوف نے فرائض دینی کے جامع تصور کو نہایت عمدگی اور اختصار سے بیان کرنے کے بعد غلبۂ دین کے مراحل اور پھر خلافت تک کے موضوعات کو اس خوبصورتی سے جمع کیا کہ ۲۳ نوجوانوں میں سے گیارہ نے وہیں تحریک خلافت کے معاونت فارم پر کر دیئے جبکہ بقیہ نے بعد میں پُر کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ خطاب تقریباً ایک گھنٹہ کا تھا جس کے آخر میں تحریک کا دعوتی لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ جمعہ کے خطاب کی ذمہ داری بھی فیاض حکیم صاحب کے سپرد تھی، جبکہ جمعہ سے قبل عبدالرزاق صاحب خطبۂ نکاح کی خصوصی دعوت پر نوشہرہ روانہ ہو گئے۔

نماز عصر تک کھانا اور آرام کا وقفہ ہوا۔ پھر بعد عصر تمام رفقاء کو جن میں مقامی ساتھی بھی شامل تھے، اس دو روزہ پروگرام کے بارے میں اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ رفقاء نے دو روزہ پروگراموں کو خوب تر بنانے کے لئے بہت مفید مشورے دیئے جن کو نوٹ کر لیا گیا۔ آخر میں اگر

میں اسرہ رحمان پورہ کے نقیب بھائی عباس اور بھائی عبدالغفار کا ذکر نہ کروں تو یہ رپورٹ ادھوری رہ جائے گی جنہوں نے کھانے پکانے وغیرہ کی ذمہ داریاں بہت عمدگی سے نبھائیں۔ مغرب کے وقت واپسی کا سفر شروع ہوا۔ دوران سفر راقم نے بھائی عبدالغفار کے تعاون سے رفقاء کو دو احادیث معہ متن یاد کروائیں اور یوں راہ حق کا یہ قافلہ ایمان کے ولولوں اور شکر کے جذبات کے ساتھ اپنے مستقر تک آپہنچا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ (آمین)

مرتب: فیاض اختر میاں

(۲)

کھاریاں، منعقدہ ۲۴-۲۵ دسمبر ۱۹۹۳ء

تنظیم اسلامی گجرات کے زیر اہتمام ماہ دسمبر ۹۳ء کا دوروزہ دعوتی و تربیتی پروگرام اس دفعہ گجرات کی تحصیل کھاریاں میں رکھا گیا۔ پروگرام کے مطابق ۲۳ دسمبر بروز جمعرات حلقہ گوجرانوالہ کی سطح پر گوجرانوالہ میں ہونے والے شب بسری کے پروگرام کے بعد اگلی صبح ساڑھے سات بجے چار رفقاء پر مشتمل قافلہ رفیق محترم جمشید علی صاحب کی امارت میں روانہ ہو کر ۱۰ بجے کھاریاں کی مشہور مدنی مسجد میں پہنچا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مزید تین رفقاء ہمارے ساتھ آ ملے، جبکہ ایک رفیق نماز مغرب کے بعد تشریف لے آئے۔

وہاں سب سے پہلے تربیتی نشست میں تازہ ندائے خلافت میں شائع ہونے والے خواجہ محبوب الٰہی صاحب کے ایک طویل خط کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔ اس کے بعد تحریک خلافت کے منشور کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا اور اس پر باہمی تبصرہ ہوا۔ بعد ازاں جمعہ کے خطاب کا وقت ہو گیا۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد نمازیوں میں تحریک خلافت کا لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد مسجد کے خطیب جناب افضل ضیاء صاحب سے ملاقات کر کے انہیں تحریک کا لٹریچر پیش کیا گیا اور مسجد میں پروگرام کی اجازت دینے پر انکا شکریہ ادا کیا گیا۔

نماز عصر کے بعد معروف مقامی دینی شخصیت ڈاکٹر جلال خاں صاحب سے تفصیلی تعارف ہوا جو درس کا اعلان سن کر خود ہی ملاقات کے لئے تشریف لے آئے تھے۔ بعد نماز مغرب راقم نے درس قرآن دیا جس میں اصل موضوع "فرائض دینی کا جامع تصور" تھا۔ درس کے بعد سوال و جواب کی مختصر نشست ہوئی۔ بعد نماز عشاء ڈاکٹر جلال خاں صاحب کے ہمراہ ایک دوسری مسجد کے خطیب مولانا زبیر ہاشمی صاحب سے ملاقات کی۔ انہیں تنظیم کا تعارف کروایا اور صبح بعد نماز فجر مسجد میں درس قرآن کے لئے اجازت حاصل کی۔ وہاں سے واپسی پر رات کے کھانے کے بعد تمام

رفقاء کے مابین ایک طویل تعارفی نشست ہوئی جس میں سب رفقاء نے اپنا تفصیلی تعارف کرانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ وہ تنظیم سے کس طرح منسلک ہوئے۔

دوسرے دن بعد نماز فجر پروفیسر اشرف ندیم صاحب نے جامع مسجد مدنی میں' جبکہ راقم نے جامع مسجد محمدیؐ میں درس قرآن دیا اور بعد ازاں مسجد کے خطیب زبیر ہاشمی صاحب سے تفصیلی تعارف حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں تنظیم کی دعوت بھی پہنچائی۔ ڈاکٹر جلال خاں صاحب کی پرزور دعوت پر تمام رفقاء نے ان کے گھر ناشتہ کیا۔ اس موقع پر ان کے سامنے تنظیم کی انقلابی دعوت کو تفصیل سے رکھا گیا۔ بعد ازاں مسجد میں آکر ادعیہ ماثورہ کی تذکیر کی گئی۔ ۱۱ بجے کے قریب اس پروگرام سے فارغ ہو کر دو رفقاء کو ڈاکٹر جلال صاحب کے پاس بھیجا گیا تاکہ وہ دیگر احباب کے ساتھ ہماری ملاقات کروا سکیں۔ انہوں نے ہمارے رفقاء کو جماعت اسلامی کے رکن مولانا احمد یار صاحب سے ملوایا جو وہاں پر جماعت کے زیر اہتمام مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کا کام کروا رہے ہیں۔ ان سے ہمارے رفیق جمشید صاحب نے تفصیلی ملاقات کی۔ اس کے علاوہ ایک اور "مسجد کوثر" کی انتظامیہ سے درس کی اجازت بھی ڈاکٹر جلال صاحب کے توسط سے ملی جہاں راقم نے نماز ظہر کے بعد مختصر درس قرآن میں نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادوں کی وضاحت کی۔

اس کے بعد تمام رفقاء نے مسجد مدنی میں جمع ہو کر دو روزہ پروگرام کا مختصر جائزہ لیا اور دعا کے بعد اکٹھے نماز عصر ادا کر کے وہاں سے گھروں کی راہ لی۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اپنی راہ میں ہماری اس محنت کو ہمارے لئے توشہ آخرت بنائیں گے اور کھاریاں کی سرزمین میں خلافت کی منادی کے لئے ہماری سعی کو نتیجہ خیز بنائیں گے۔

(مرتب عبدالرؤف)

ضرورت رشتہ

پاکستان میں مقیم بی اے۔ بی ایڈ خاتون (بیوہ) ٹیچر' عمر ۴۲ سال کے لئے مناسب عمر کا دیندار گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ باہم مشورہ سے خاتون کی ملازمت ترک بھی کی جاسکتی ہے۔ دوسری شادی کے خواہش مند بھی رجوع کر سکتے ہیں۔ مکمل کوائف کے ساتھ رابطہ قائم فرمائیں۔ نیز ممکن ہو تو ٹیلیفون نمبر بھی لکھیں۔

برائے رابطہ: عبداللہ' پوسٹ بکس نمبر 169' دومتہ الجندل۔ الجوف' سعودی عربیہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر انقلاب (۲)

محبوب الحق عاجز

پچھلے دنوں ادارہ منہاج القرآن کے زیر اہتمام کُل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی ہوا جس میں ملک بھر سے بڑی تعداد میں مختلف کالجوں کے طلبہ نے حصہ لیا۔ عنوان تھا: "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر انقلاب"۔ اس مقابلے میں ایک نوجوان رفیق تنظیم محبوب الحق عاجز جو قرآن کالج کے سال دوم کے طالب علم ہیں' اول انعام کے مستحق قرار پائے۔ محبوب الحق قرآن کالج کے ایک ہونہار طالب علم ہیں' انہوں نے اپنے مضمون میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ تنظیم کے انقلابی فکر اور انقلاب نبوی کے اس منہاج کو سمو کر پیش کیا ہے جسے امیر تنظیم ایک عرصے سے اپنی تقاریر اور تحریروں کے ذریعے واضح فرما رہے ہیں۔

مصطفوی انقلاب کا مصطفوی طریق

انقلابِ مصطفوی ﷺ کے اساسی منہاج کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی تیئس سالہ زندگی پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تاکہ حقائق اظہر من الشمس ہو جائیں اور پورا منہاجِ نبویؐ ہمارے سامنے آجائے۔

رسول کریم ﷺ کی زندگی کے دو دور ہیں' ایک مکی زندگی اور دوسرا مدنی زندگی۔ ان دونوں ادوار میں ہمیں نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی بظاہر دو مختلف تصویریں نظر آتی ہیں' جو اصلاً دو نہیں بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ بعثتِ رسول ﷺ کے بعد جب بارگاہ خداوندی سے "یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ" کا حکم جاری ہوا تو آپؐ نے اپنی دعوتِ توحید کا آغاز کیا۔ بت پرستی چھوڑنے اور اس خدائے واحد کی بندگی کی

تعلیم شروع کی جو کُل کائنات کی طلسم بند اور تصویر خانہ موجودات کی مالک ہے، وہی بندگی اور عبادت کے لائق ہے۔ پہلے تین سال دعوت خفیہ تھی اور آپ ﷺ فرمانِ خداوندی "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" کے تحت اپنے قریبی رشتہ داروں کو جہنم کی ہولناکیوں سے ڈراتے رہے۔ اس عرصے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپؐ کے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ آپؐ پر ایمان لائے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح تین سالوں کے دوران جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے آپؐ نے انہیں منظم کیا۔ اور ان کی ایک حزب اللہ تشکیل دی۔

نبوت و رسالت کے چوتھے سال "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" کے ساتھ اعلانیہ تبلیغ کا آغاز ہوا۔ آپؐ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور پکارا: اے قریش! دوڑو -- لوگ آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر جرار تمہاری گھات میں ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟ سب بولے: ہاں، کیونکہ ہم نے ہمیشہ آپؐ کو سچ بولتے سنا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہو گا۔ لوگوں نے کوئی توجہ نہ دی اور لعن طعن کرتے ہوئے چلے آئے۔ اب عام دعوت ہو گئی۔ آپ ﷺ حج کے اجتماعات اور مختلف تجارتی منڈیوں میں جاتے اور برابر اللہ کا پیغام لوگوں کو پہنچاتے اور بت پرستی سے منع کرتے۔ جہاں کہیں میلہ لگا ہوتا، آپؐ تشریف لے جاتے اور اسلام کی تبلیغ کرتے: "قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا" اب جو سلیم الفطرت افراد اس دعوت کو قبول کرتے وہ آپؐ کی حزب اللہ میں شامل ہو جاتے۔ آپ ﷺ ان کا تزکیہ کرتے (وَیُزَکِّیْہِمْ) ان کے اخلاق سنوارتے، تلاوت آیات کے ذریعے ان کے ایمان کو جلا بخشتے، ان کی تربیت کرتے، صبر اور نماز کے ذریعے ان کے اندرون کو طاقتور بناتے۔ یہ سب کچھ اس لئے کہ مکی زندگی افراد سازی کا مرحلہ تھا۔ محمد مارماڈیوک پکھتال اپنے ترجمۂ قرآن کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

The inspiration of the Prophet
progressed from inmost things to outward things.

"محمدؐ کا الہام اندرونی چیزوں سے شروع ہو کر بیرونی چیزوں کی طرف آتا ہے"

اسی رسول ﷺ کی تربیت کے طفیل صحابہؓ "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کی صفات کے حامل افراد بنے۔ اب حضور ﷺ کی دعوتِ عام کے نتیجے میں مخالفت بھی شدید ہو گئی۔ چنانچہ اب آپؐ پر انگلیاں اٹھائی گئیں۔ آپؐ کو ساحر و مجنون کہا جانے لگا۔ آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے جانے لگے۔ آپؐ نے مکہ میں قریش کو دعوت دی تو انہوں نے بھی آپؐ کی سخت مخالفت کی۔ طائف گئے تو وہاں پر عبد یالیل اور اس کے بھائیوں کی طرف سے نہایت ناروا رویّہ روا رکھا گیا۔ آپ ﷺ کو واپسی پر غنڈوں نے لہولہان کر دیا۔ اس شدید مخالفت کے باوجود آپؐ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

دعوتِ توحید کی مخالفت کی اصل وجہ یہ تھی کہ شرک محض ایک مذہبی عقیدہ ہی نہ تھا بلکہ اس پر پورے سیاسی نظام کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اسی کے ساتھ مشرکین مکہ اور قریش کے معاشی مفادات وابستہ تھے۔ دعوتِ توحید کو مان لینے میں انہیں اپنا اقتصادی خطرہ نظر آتا تھا۔ اسلام سے پہلے کعبہ بہت بڑا بت خانہ تھا، جس میں تمام مذاہب کے بت رکھے ہوئے تھے۔ اور عرب مختلف علاقوں سے کعبہ کی زیارت کے لئے آتے، نذر و نیاز کرتے، چڑھاوے چڑھاتے۔ چونکہ کعبہ کی تولیت قریش کے پاس تھی اس لئے ان سب کا معاشی فائدہ انہی کو پہنچتا تھا۔ اگر بتوں کو ہٹا کر توحید کا نظام آجاتا تو قریش کی ساری دکانداری ٹھپ ہو جاتی۔ اس لئے انہوں نے دعوت توحید کی بھرپور مزاحمت کی۔ دعوت توحید کی مخالفت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ توحید کے عقیدے میں سماجی تقسیم اور طبقاتی امتیاز کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے غلام اور محکوم طبقہ نے جب دیکھا کہ توحید کے زیر سایہ وہ مساوات اور انسانی عظمت کا مقام حاصل کر سکتے ہیں تو وہ آپؐ کی دعوت کی طرف لپکے۔ اور یوں حضور ﷺ کی دعوت غلام، مزدور اور پسے ہوئے طبقات میں زیادہ نفوذ کرنے لگی۔ یہ اسلامی مساوات اور اخوت و بھائی چارہ، فرعونیت، قارونیت اور ہامانیت کے علمبرداروں کو سخت ناپسند تھا۔ اس لئے کہ اس میں ان کی سرداری اور تھانیداری پر کاری ضرب پڑتی تھی۔ اس لئے خاندانی فخر و امارت کے نشے سے سرشار قریش اسلام کی برادری اور برابری کے دعوے کی سخت مخالفت پر اتر آئے۔ مغیرہ بن شعبہ فارس کے سپہ سالار رستم کے دربار میں گئے تو ان کی تقریر کا ایسا ہی ردِّ عمل ہوا۔ ابن جریر کی روایت کے مطابق :

"نیچے کے لوگوں نے کہا خدا کی قسم! اس عربی نے سچ بات کہی۔ سرداروں نے کہا: خدا کی قسم اس نے ایسی بات کہی ہے کہ ہمارے سب غلام اس کی طرف چلے جائیں گے"۔

ان حالات میں قریش نے آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ بالخصوص غلاموں کو اپنا تختۂ ستم بنایا۔ انہیں شدید بدنی سزائیں دی گئیں' ان کی چھاتیوں پر بھاری پتھر رکھے گئے' لوہے کی سلاخوں کو گرم کرکے ان کے بدن کو داغا گیا' حضرت بلالؓ' عمارؓ' خبابؓ' یاسرؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جیسی ہستیوں کو کڑی آزمائش میں ڈالا گیا۔ حتیٰ کہ ان پر "زِلزال شَدِید" کی منزل آگئی۔ مگر آپؐ کے صحابہؓ ان تمام مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے جھیلتے رہے۔ کسی جانب سے کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس لئے کہ تحریک اسلامی کا قافلہ ابھی صبرِ محض کی منزل سے گزر رہا تھا۔ یہاں پر قتال کی اجازت نہ تھی بلکہ حکم تھا کہ "کُفُّوا اَیدِیَکُم"۔ ان تمام تر مشکلات کے باوجود حضور اکرم ﷺ مکہ میں تیرہ سال تک عزم بالجزم کے ساتھ دعوت و تربیت کا کام کرتے رہے۔

اس کے بعد ہجرت کے حکم کے ساتھ ہی پیغمبرِ انقلاب ﷺ اور آپؐ کے ساتھیؓ مدینہ ہجرت کرنے لگے۔ مدینہ میں "کُفُّوا اَیدِیَکُم" والی صورتحال نہ رہی بلکہ اب بارگاہِ خداوندی سے قتال کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ اب تحریک اسلامی صبرِ محض کے مرحلے سے نکل کر اقدام کی منزل پر آپہنچی۔ اگرچہ مولانا شبلی نعمانی نے اسلام کی جنگ کو مدافعتی جنگ قرار دیا ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مدافعت کی جنگ نہ تھی' بلکہ خود آگے بڑھ کر باطل کے خلاف مسلح اقدام تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قریش کی تجارتی شاہراہوں پر اپنے فوجی دستے تعینات کئے جو قریش کے لئے مستقل خطرہ تھے اور بالواسطہ طور پر اقدام کا چیلنج بھی تھے۔ یہاں سے جنگوں کا آغاز ہوا۔ چنانچہ بدر و اُحد' خندق و خیبر' فتح مکہ و حنین کے عظیم الشان معرکے پیش آئے۔ اسی طرح دیگر ستائیس سزایابی ہوئے' جن میں آپؐ کے تربیت یافتہ صحابہؓ نے اپنی جانیں نثار کرکے شجرِ اسلام کی آبیاری کی۔ اور یوں یہود کی عیاریاں' نصاریٰ کی چالبازیاں اور منافقین کی مکاریاں ملیامیٹ ہوگئیں۔ اور آخر کار ربِّ ذوالجلال کی مشیت سے فتح مکہ پر اظہار دین الحق کی منزل آن پہنچی۔ اور خدائے واحد

نے جو "لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد" ہے۔ اپنا وعدہ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" کی صورت میں پورا کر دکھایا۔ اور تب مصطفوی انقلاب کی تکمیل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین پوری آب و تاب کے ساتھ بالفعل قائم و نافذ ہو گیا۔

مراحلِ انقلاب

حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپؐ کے اس سارے عمل اور تمام تر جدوجہد پر ہم غور کریں تو آج ہمیں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے سیرۃِ رسولؐ سے درج ذیل مراحل و مدارج کی راہنمائی ملتی ہے۔ دعوت و تبلیغ' تنظیم و تحریک' تزکیہ و تربیت' صبر و مصابرت' چیلنج اور مسلح اقدام۔

دعوت و تبلیغ

دنیا میں جتنے بھی انقلابات آئے ہیں ان میں سب سے بنیادی کام انقلابی نظریہ کی اشاعت ہے۔ کوئی بھی داعی جو لوگوں کو انقلاب کے لئے پکارتا ہے اسے سب سے پہلے یہ بتانا ہوتا ہے کہ وہ انقلاب کیوں لانا چاہتا ہے؟ اس کے پیش نظر انقلاب کی ماہیت و نوعیت کیا ہے؟ اس انقلاب سے افراد کی زندگیوں میں کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اور یہ کہ اس کی اس ساری جدوجہد کا منتہائے مقصود کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہی وہ پہلا مرحلہ ہے جس سے انقلابی جماعت اپنی انقلابی جدوجہد کا آغاز کرتی ہے۔ اب اگر انقلابی جماعت اشتراکی ہے تو وہ اپنے نقطۂ نظر سے اپنے اشتراکی نظریئے کی اشاعت کرے گی۔ یا نسلی شہنشاہیت (Kingdom) کے خاتمے کے لئے جمہوری پارٹی ہے تو وہ اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے اپنے نظریے کا پرچار کرے گی۔ اسی طرح اسلامی انقلاب کا داعی بھی سب سے پہلے اپنے نظریۂ انقلاب یعنی توحید کی دعوت دے گا۔ نظریۂ توحید کہ جس کا اساسی نعرہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہے۔ اس "لَآ اِلٰہَ" سے مراد یہ ہے کہ ہر قسم کے مادی اور نظریاتی بتوں کا انکار اور "اِلَّا اللّٰہُ" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خالقیت' مالکیت' ربوبیت اور حاکمیت اور دیگر

جملہ صفات کا اقرار۔ یعنی انسان کا خالق و مالک اور ربّ خدا تعالیٰ ہے۔ وہی معبود ہے' حاجت روا و مشکل کشا ہے' علیم و حکیم ہے' خبیر و بصیر ہے' اسی کا حکم انسانی زندگی کے جملہ انفرادی اور اجتماعی شعبوں پر چلتا ہے' وہی حاکمِ مطلق اور مختارِ کُل ہے۔ انسانی زندگی میں عقیدۂ توحید کا مظہر یہ ہے کہ وہ ایمان رکھے کہ خدا صرف ایک ہے' وہی کُل کارخانۂ قدرت کا خالق و مالک ہے۔ اس خدا نے ہمیں زندگی بسر کرنے کے لئے قرآن حکیم کی صورت میں ایک مکمل و اتم ہدایت نامہ دے دیا ہے' اس کے احکامات کے مطابق ہمیں انفرادی زندگی میں بھی چلنا ہے اور زندگی کے اجتماعی گوشوں میں بھی اسی حاکمِ مطلق کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا ہے' خواہ اس کا تعلق سیاست سے ہو' معیشت سے ہو یا معاشرت سے' کیونکہ حکم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' کسی فردِ واحد کو یا افراد کے اجتماع کی صورت میں کسی پارلیمنٹ کو قانون سازی کا اختیار نہیں البتہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے اندر اندر تو یہ سب اس لئے کہ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" حکم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ جب انسان یہ عقیدہ رکھے گا' تب ہی اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔ اسی عقیدہ کا پرچار حضور اکرم ﷺ نے کیا تھا۔ اور آج بھی اسلامی انقلاب کے داعی کو سب سے پہلے عقیدۂ توحید کا پرچار کرنا ہوگا۔

تنظیم و تحریک

دعوتِ توحید کے نتیجے میں جب کچھ لوگ داعی کی پکار پر لبیک کہیں' اور دعوت توحید کو قبول کرلیں' تو اب داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نظریاتی کارکنوں کو ایک نظم میں پرونے کے لئے ایک تنظیم قائم کرے۔ ایک جماعت بنائے' جس کی بنیاد "السمع والطاعۃ فی المعروف" کے نبویؐ طریقے پر ہو۔ اگرچہ بیعت کے نظام پر آج بعض لوگ اعتراضات کر رہے ہیں لیکن نبویؐ طریق یہی ہے۔

تزکیہ و تربیت

اسلامی انقلاب کے لئے تیسرا مرحلہ تزکیہ و تربیت کا مرحلہ ہے۔ چنانچہ قرآن میں رسولؐ کی پہلی ذمہ داری تلاوتِ آیات یعنی دعوت کے ساتھ تزکیہ کا بھی بیان آیا ہے۔

جیسے ارشاد ہوتا ہے "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"۔ تزکیہ کے معنی ہیں پاک کرنا۔ یعنی داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کو گناہ و عیوب سے پاک کرے' ان کے اخلاق سنوارے' حبِ دنیا اور حبِ عاجلہ سے بچنے کی تعلیم دے' انہیں خواہشاتِ نفس کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لائے' تاکہ وہ خواہشات' جذبات اور احساسات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حکموں پر چلیں۔ اسی طرح ان میں اطاعتِ امیر کا جذبہ بیدار کرے' اخوت و بھائی چارے' محبت و مروت' انسانی ہمدردی اور غمگساری کی صفاتِ حمیدہ کی تعلیم دے' تاکہ اس کے کارکن صحیح معنوں میں "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کی عملی تصویر بن سکیں۔

صبرِ محض

تزکیہ و تربیت کے بعد انقلابِ اسلامی کے لئے چوتھا مرحلہ صبر و مصابرت کا ہے۔ دعوت کے عام ہوتے ہی حق کی جمعیت کے نتیجے میں باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اس لئے حق کی صدا کو کچلنے کے لئے باطل کی طرف سے ہر ممکنہ کوشش کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں تاکہ کسی نہ کسی طریقے سے حق کی آواز کو اس کے آغاز ہی میں کچل دیا جائے۔ چنانچہ تحریک اسلامی کے کارکنوں کو طرح طرح کی ایذائیں دی جاتی ہیں۔ ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ داعیٔ تحریک پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں۔ اس کی ذاتی شخصیت کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسے ساحر و مجنون کہا جاتا ہے۔ چنانچہ پیغمبرِ انقلاب محمد رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی تمام کی تمام' مصائب و مشکلات سے عبارت ہے۔ آپؐ کی شخصیت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ آپؐ کے ساتھیوں کو تپتی ریت پر لٹایا گیا' ان کے جسموں پر لوہے کی کنگھیاں پھیری گئیں' ان کے سینوں پر پتھر رکھے گئے۔ مگر توحید کے پروانوں کو کوئی چیز بھی راہ خدا سے نہیں ہٹا سکی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی حق کی تحریک کو ان مشکلات کا سامنا کرنا ناگزیر عمل ہے۔ فرعون و کلیمؑ' نمرود و ابراہیمؑ اور چراغ مصطفویؐ اور شرارِ بولہبی کی یہ کشمکش

ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ اس لئے اسلامی تحریک کے داعی کو اور کارکنوں کو بھی کبھی اس بات سے نہیں گھبرانا چاہئے کہ معاشرے کی جانب سے ان کی مخالفت کی جارہی ہے۔ بلکہ اس مرحلے پر مقابلے کے لئے اندرونی قوت صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کی جائے (وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ) اور کسی قسم کی مزاحمتی کارروائی نہ کی جائے۔ اور اس مرحلے پر نبی ﷺ کی مکی زندگی کی سنت "كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ" پر عمل کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ مرحلہ ہی صبر و استقامت اور مطلوبہ افراد کی تیاری کا ہے۔

چیلنج

تحریک اسلامی کا پانچواں مرحلہ چیلنج کا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں تحریک کے پاس معتدبہ تربیت یافتہ افراد تیار ہو جاتے ہیں، جو باطل نظام سے ٹکرلے سکیں اور اپنی جان تک کو راہ خدا میں قربان کرنے کے لئے تیار کھڑے ہوں۔ اس مقام پر اسلامی تحریک حکومتِ وقت سے مطالبہ کرتی ہے کہ مروّجہ نظام حکومت، سیاست، معیشت و معاشرت (جو کہ اللہ تعالیٰ کے نظام حیات اسلام سے سراسر متصادم ہے) کو ختم کردیا جائے۔ ورنہ ہم بزورِ بازو اس کا قلع قمع کردیں گے۔ یہ مطالبہ موجودہ دور میں پارلیمنٹ کا گھیراؤ کرکے بھی منوایا جاسکتا ہے۔ جیسے کہ ضیاء الحق کے دور میں شیعوں نے پارلیمنٹ کا گھیراؤ کرکے خود زکوٰۃ سے چھوٹ حاصل کرلی تھی۔ اس مرحلہ پر حکومتِ وقت تحریک اسلامی کے مطالبات اور عوامی طاقت کے بل بوتے پر گھٹنے ٹیک دیتی ہے اور زندگی کے جملہ شعبوں سیاست، معیشت اور معاشرت اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق تشکیل دیتی ہے تو اسلامی انقلاب کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ حکومت وقت تحریک اسلامی کے مطالبات کو ٹھکرادیتی ہے۔

مسلّح اقدام

اسلامی انقلابی جماعت کے مطالبۂ اسلام کے نفاذ کے انکار کی صورت میں تحریک اسلامی

صبر و مصابرت اور چیلنج کے مرحلے سے گزر کر مسلح اقدام کے مرحلے میں اب وہ باطل حکومت سے ٹکر لیتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دو ہی نتائج متوقع نکلتے ہیں' تختہ یا تخت۔۔یعنی یا تو تحریک اسلامی اقتدار حاصل کر کے انقلاب اسلامی کی تکمیل کر دیتی ہے۔ یا پھر غیر اسلامی حکومت اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر تحریک اسلامی کو مکمل طور پر کچل دیتی ہے۔ اور تحریک کے کارکن راہ خدا میں جان دے کر جام شہادت نوش کر لیتے ہیں۔ یاد رہے کہ مؤخر الذکر صورت میں بھی تحریک اسلامی کی جدوجہد کو کسی اعتبار سے بھی ناکامی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اس کے کارکنوں کا منتہائے مقصود کہ ئ اقتدار پر پہنچ کر اسلامی نظام کا نفاذ نہیں ہوتا' بلکہ رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد دونوں صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔ مسلح تصادم یا اقدام کے ضمن میں یہ بات یاد رہے کہ از روئے شریعت اسلامی مسلمان حکمران کے خلاف بھی اقدام جائز ہے۔ اگرچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان حکمران کے خلاف اقدام کیا جائے' لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے' اگرچہ اس کی شرائط بھی بڑی سخت ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان حکمران کھلے عام کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تحریک اسلامی کے پاس سرفروش مجاہدین کی اتنی نفری موجود ہو کہ بحالاتِ ظاہر یہ امید واثق ہو جائے کہ سربکف مجاہدین غلط نظام کو تبدیل کر لیں گے۔

دور حاضر میں انسانی تمدن نے بہت ترقی کی ہے۔ تمدنی ارتقاء کی بدولت آج جہاں دیگر بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہاں ایک تبدیلی یہ آئی ہے کہ قرونِ اولیٰ میں حکومت کے پاس تنخواہ دار فوج (standing armies) نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح اُس دور میں جس نوع کا اسلحہ حکومت کے پاس ہوتا تھا عوام کے پاس بھی وہی اسلحہ ہوتا تھا۔ اس میں (quantity) کا فرق تو ہو سکتا تھا' لیکن (quality) کا کوئی فرق نہ تھا۔ حکومت کے پاس بھی وہی تلواریں' نیزے اور تیر وغیرہ تھے اور عوام بھی انہیں سے مسلح تھے۔ لیکن آج صورت بالکل اس کے برعکس ہے۔ آج حکومت کے پاس تمام وسائل ہوتے ہیں۔ اس کے پاس ایک تنخواہ دار فوج ہوتی ہے جو انتہائی طاقتور اسلحہ سے لیس ہوتی ہے اور اس

طرح حکومت ایک مضبوط ترین ادارہ بن چکی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں عوام بالکل نہتے ہیں۔ یہ فرق وتفاوت اتنا زیادہ ہے کہ حکومت اور عوام کی طاقت کے مابین کوئی نسبت و تناسب ہی نہیں۔ چنانچہ موجودہ دور میں انقلاب اسلامی کے چھٹے مرحلے (Armed Conflict) یعنی پہلے سے قائم شدہ نظام سے مسلح تصادم کا مرحلہ ناممکن نظر آتا ہے۔ اس کا متبادل بھی تمدنی ارتقاء نے ہمیں دے دیا ہے اور وہ ہے خاموش مظاہرے' احتجاجی جلوس وغیرہ' کیونکہ آج کے دور میں عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر کسی حکومت یا نظامِ حکومت کو ناپسند کرتے ہیں تو اس کو ہٹا کر اپنی پسند کی حکومت لاسکتے ہیں۔ آج تحریک اسلامی یہی طریقہ اختیار کرے گی' وہ خاموش مظاہرے کرے گی' احتجاجی جلوس نکالے گی۔ کسی بھی امر غیر شرعی کے آگے تحریک کے کارکن سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں گے' اور یہ مطالبہ کریں گے کہ اس غلط نظام کو ختم کر دیا جائے' ہم اس نظام کو جو شریعتِ الٰہی سے متصادم ہے ہرگز نہیں چلنے دیں گے' خواہ اس کے لئے ہمیں اپنی جانوں ہی کا نذرانہ کیوں نہ دینا پڑے۔ اس مرحلے پر حکومتی مشینری حرکت میں آجائے گی' اسلامی تحریک کے کارکنوں کو ہٹانے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے گی' مسلح افواج کی مدد لی جائے گی' مسلح افواج تحریک اسلامی کے کارکنوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیں گی' مگر اسلامی تحریک کی تربیت یافتہ فوج بالکل مزاحمت نہیں کرے گی۔ تحریک اسلامی کے کارکن اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن اپنے موقف سے ذرا پیچھے نہ ہٹیں گے۔ ان کا مطالبہ اسلامی حکومت یا شہادت ہو گا۔ اب یا تو تحریک کو مکمل طور پر کچل دیا جائے گا یا پھر افواج اتنے بڑے پیمانہ پر انسانی جان کے قتل کے بعد ہتھیار ڈال دے گی۔ جیسے کہ ایران میں ہوا ہے' اور اب سربکف مجاہدین کے خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری ہو گی۔ اور پھر بقول اقبال۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

انقلاب کے نبویؐ منہاج کو اپنانے کی ضرورت

اقامتِ دین یعنی اسلامی نظام کا نفاذ ہر مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے۔ اسی فریضہ کی ادائیگی کے

لئے اس وقت دنیا کے بیشتر ممالک میں اسلامی تحریکیں برسرپیکار ہیں۔ ہر طرف سے اسلامی بیداری اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے آواز بلند کی جارہی ہے۔ مگران تمام مساعی کے باوجود پچھلے تین سو سالوں سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا بلکہ ہماری جدوجہد کا الٹا نتیجہ برآمد ہو رہا ہے۔ ہماری اس زبوں حالی پر بائبل کے وہ الفاظ پورے اترتے ہیں جو اس نے یہود کے بارے میں کہے تھے۔

"اور تمہارا بیج بونا فضول ہوگا کیونکہ تمہارے دشمن اس کی فصل کھائیں گے اور جن کو تم سے عداوت ہے وہی تم پر حکمرانی کریں گے اور تمہاری قوت بے فائدہ صرف ہوگی کیونکہ تمہاری زمین سے کچھ بھی پیدا نہ ہوگا۔" (باب احبار ۲۶)

چنانچہ ہم نے خلافت اسلامی اور اتحاد عالم اسلامی کے لئے زوردار تحریکیں چلائی اور بے شمار قربانیاں دیں مگر جب نتیجہ نکلا تو پوری ملت اسلامیہ بہت سے ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی۔ ہم نے مصر میں اسلام کے لئے تحریک چلائی مگر جب نتیجہ نکلا تو مصر کی زمام کار اسلام پسندوں کی بجائے فوج کے ہاتھ آگئی۔ ہم نے اسلام کے نام پر حصول پاکستان کی تحریک چلائی مگر جب اسلامیان ہند کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا تو حصول پاکستان کے بعد یہاں کا اقتدار غیر اسلامی مغرب زدہ ٹولے کے ہاتھ لگ گیا۔ ہم نے افغان جہاد میں اسلام کی آبیاری کے لئے تیرہ لاکھ جانوں کا نذرانہ پیش کیا مگر روس کی شکست اور افغانستان کی فتح کے بعد ہم نفاذ اسلام کی بجائے خود ہی باہم برسرپیکار ہو گئے۔

ہماری جدوجہد اور مساعی ثمر آور کیوں ثابت نہیں ہو رہی؟ جواب ہے "منہج انقلاب نبویؐ سے انحراف"۔ ہم اسلام کا مثالی نظام واپس لانا چاہتے ہیں' مگر اس کے لئے حضور اکرم ﷺ کے اسوہ اور منہاج کو اختیار نہیں کرتے۔ کیا ہم جو کا بیج بو کر گندم کی امید رکھ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر حضور اکرم ﷺ کے طریق انقلاب کو چھوڑ کر کسی اور طریقے سے انقلاب نہیں لاسکتے۔ کوئی شخص یہ تو کر سکتا ہے کہ اپنے ذہن میں خوش خیالیوں کی ایک دنیا بسا کر اس میں جیتا رہے لیکن مستقبل کا مؤرخ ہماری خوش خیالیوں کی تصدیق کی بجائے کتاب زندگی میں ہمارا تذکرہ تک بھی نہ کرے گا۔ ع

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

اگر آج ہم اپنی سابقہ ناکامیوں اور نامرادیوں سے بچنا چاہتے ہیں اور صحیح معنوں میں دین حق کو تمام نظام ہائے باطلہ پر غالب دیکھنا چاہتے ہیں تو اس مقصد کے لئے ہمیں انتخابی کھیل سے اپنے آپ کو باہر رکھنا ہو گا اور نبی ﷺ کا بتایا ہوا انقلابی طریقہ اختیار کرنا ہو گا۔ کیونکہ انتخابات کے راستے سے اسلامی نظام حیات کی منزل مزید دور ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ وطن عزیز کے حوالے سے اس کا بیّن ثبوت دینی جماعتوں کی کارکردگی ہے جس کا گراف آئے روز نیچے گر رہا ہے۔ ویسے بھی انتخابی جمہوریت کے راستے سے جاگیردار' سرمایہ دار اور وڈیرے ہی اسمبلیوں تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ فیوڈل ازم کے تسلط کی وجہ سے دیہی علاقوں کا بہت بڑا ووٹ بینک جاگیردار کو ملتا ہے۔ اور چونکہ اس جمہوری نظام میں امیدواروں کے سابقہ کردار' ان کی اسلام دوستی اور جذبۂ حب الوطنی کو بھی پرکھا نہیں جاتا بلکہ ووٹوں کی گنتی کی جاتی ہے اسلئے اکثر و بیشتر یہی اسلام بیزار طبقہ کرئی اقتدار کو حاصل کر لیتا ہے اور اسلام پسند' ذہین ترین' نیک سیرت و کردار اور اہل علم افراد انتخابات میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ جمہوری نظام کی اسی بڑی خرابی کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

جمہوریت اِک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے

اب اقامتِ دین کی ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے آپ ﷺ کے انقلابی راستے کے ذریعے اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ دین حق کا قیام۔ یعنی آج دین کے ایک داعی کو چاہئے کہ وہ انقلاب اسلامی کے لئے سب سے پہلے فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر لاالٰہ الا اللہ کی بنیاد پر ایک وسیع علمی و فکری تحریک چلائے' پورے دین کی دعوت دے' نہ کہ چند مراسمِ عبودیت کی۔ اب جو لوگ اس دعوتِ حق کو قبول کر لیں انہیں منظم کرے' انہیں "وَاسْمَعُوا وَاَطِیْعُوا" کا خوگر بنائے' یاد الٰہی کی آبیاری کے لئے ان کا تزکیہ کرے' ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کرے' انہیں اخلاقِ رزیلہ سے بچائے اور اخلاقِ فاضلہ سے مزین کرے' نبی اکرم ﷺ سے عشق و محبت اور آپ ﷺ سے قلبی اور روحانی رشتہ کے استحکام کے لئے تگ و دو کرے۔ تحریک اسلامی اپنے کارکنوں کو وقت کے

فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور نمرودوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے صبر اور نماز کے ذریعے ان میں اندرونی طاقت پیدا کرے تاکہ وہ صحیح معنوں میں "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کی قوت سے لیس ہو کر باطل سے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہو جائیں۔ اسلامی تحریک کے لئے ایسے ہی افراد مطلوب ہیں جو خدا کے لئے تڑپیں، جو حق اور سچائی کو صدقِ دل سے تسلیم کریں، جو آخرت کی خاطر اپنی دنیا قربان کر سکیں، جو اپنی خواہشوں کو بالاتر نصب العین کے تابع کر دیں۔ جب ایسے صالح افراد معتد بہ تعداد میں ہاتھ آجائیں تو اب باطل نظامِ حکومت کے خلاف اقدام کیا جائے۔ اسلامی انقلاب کا یہی نبویؐ طریق ہے، اسی نبویؐ طریق پر چلتے ہوئے تنظیم اسلامی پاکستان کا قافلہ پچھلے اٹھارہ سالوں سے رواں ہے اور ہمارا یہ سفر اس وقت تک جاری رہے گا جب تک خدا کی بادشاہی اس زمین پر قائم نہیں ہو جاتی۔ ہم اس سفر میں ہر اس مسلمان کو شرکت کی دعوت دیتے ہیں جس کے سینے میں ایمان کی کچھ رمق بھی باقی ہے۔

ایمان کے علمبردارو اٹھو اور تمام باطل، طاغوتی، اور استحصالی قوتوں کے خلاف ہماری جدّوجہد میں شریک ہو جاؤ۔ ملّتِ اسلامیہ کی امیدیں تمہی سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کامیابی کا پختہ یقین لے کر نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ اپنی زندگی کو اسلامی انقلاب کے لئے وقف کر دو۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات، کشمکشِ انقلاب!!

عَنِ الحَارِثِ الاشعَرِی، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:
"اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ
بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ"
(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

legislature is the real test. To determine intent of the legislature Brinda prescribes consideration of the language used, object to be accomplished, the surrounding circumstances, which obviously means circumstances of a provision's adoption. If there is still ambiguity reference may also be made to extrinsic circumstances. Out of all elements held useful for interpreting a constitutional provision three deserve particular attention. These are: (a) the language of the provision, (b) the surrounding circumstances, (c) and object to be accomplished. Brindra's extract quoted above clearly points to the extreme relevance of mischief rule as laid down in the rule of Heyden's case. The analysis of this article is also similar and analogous to that of Brindra's extract in almost all respect. Thus it is clear that Article 2-A can be taken as declaratory of the general rule of validity explained above and there is no problem regarding its executability.

(To be continued)

JUST OUT!

Focus on Palestine (Part I)

The first part of the *Muslim & Arab Perspectives'* special issue, 'Focus on Palestine,' has been just released. Its 116 pages are packed with many interesting and informative articles on various fundamental aspects of the Palestinian Question, including a major article on the history of Palestine from the first Jewish invasion in 1220BC to the Oslo Accord, by Dr Zafarul-Islam Khan, an expert on Palestine and the Middle East. The second part of the 'Focus on Palestine' will concentrate on aspects of the Palestinian Question not disscussed in this part. The third part will deal with Jerusalem. Send Rs 45/ US$7/£5 (by airmail) for your copy of this important publication or, better still, save considerably by subscribing at the following yearly rates*:

	Individual	Institution
India	Rs150	Rs300
Foreign (by airmail)	$25/£15	$46/£30

**Pl. add $2 if cheque payable outside India.*

THE INSTITUTE OF ISLAMIC AND ARABIC STUDIES
P.O.Box.9701, 84 Abul Fazl Enclave, New Delhi 110025

Supreme Court in Hakim Khan's case is beyond comprehension. We will see hereinafter that it is in total support of the line of argument and analysis of this article. The extract clearly contemplates a distinction between two kinds of constitutional provisions. First category consists of laws to which most of the extract is devoted, that grain rights or impose duties and these may or may not be backed up by ancillary or supplemental legislation. But even in case of constitutional provision of the above kind, quite apart from ancillary legislation in certain cases its self executing nature may be adjudged from the language of that constitutional provision itself. The second category consists of constitutional provisions that simply and merely declare law. Following words of the extract in this context are extremely revealing and significant. Apparently they have escaped the attention of the Supreme Court. "A constitutional provision which is merely declaratory of the common law is necessarily self-executing. A constitutional provision designed to remove an existing mischief should never be construed as dependent for its efficacy and operation on legislature". Here the provision which is declaratory of common law is being set up as a distinct second category by Brindra and unusual importance of mischief rule has been greatly stressed in this behalf.

This leaves no doubt that Brindra too had two categories of laws in mind. The distinction established by Brindra is quite similar and analogous to the distinction which is the basis of this article's analysis. It needs to be reminded that in this article's analysis, a distinction has been set up between provisions that deal with powers, rights and obligations on one hand and a particular provision which is not merely declaratory of common law but instead declares a general rule of validity for all law actions and decisions. This being a source of all legality is immediately and ipso facto effective and stands on a much higher pedestal.

The extract has gone on to emphasise that intention of

manifest intention that they should go into immediate effect and no ancillary legislation is necessary to the enjoyment of a right given or the enforcement of a duty imposed. That a right granted by a constitutional provision may be better and further protected by supplementary legislation does not itself prevent the provisions in question from being self executing, nor does the self executing character of the constitutional provision necessarily preclude legislation for the protection of the rights secured. A constitutional provision which is merely declaratory of the common law is necessarily self executing. A constitutional provision designed to remove an existing mischief should never be construed as dependent for its efficacy and operation on legislature.

constitutional provisions are not self executing if they merely indicate a line of policy or principle without applying the means by which such policy of principle are to be carried into effect, or if the language of the constitution is directed to the legislature, or it appears from the language and circumstances of its adoption that subsequent legislation was comtemplated to carry into effect. Provisions of this character are numerous in all constitutions and treat of a variety of subject. They remain inoperative until rendered effective by supplemental legislation. The failure of the legislating to make suitable provision for rendering a clause effective is no argument in favour of self executing constructions of the clause. Self executing provisions are exceptional.

The question whether a constitutional provision is self executing is always one of intention and to determine intent the general rule is that courts will consider the language used, the object to be accomplished, by the provision and surrounding circumstances. Extrinsic matters may be resorted to where the language of the constitution itself is ambiguous."

How this extract helps the line of reasoning of the

a constitutional law in matters not covered by Article 8, 143 and 203 D with some Federal law. To meet a situation like this there is supremacy clause in Article 6 of American Constitution, whereby constitutional provisions are declared superior over all other laws. But in contrast to this, strange as it may seem there is no express provision in our constitution or anywhere else which could apply to this kind of situation. However, constitution being the organic law of the country that is a source and authority for all other laws will undoubtedly have to be treated as higher law. Here supremacy is derived from the content and subject matter on the principle of res ipsa loquitur-the thing speaks for itself. Same logic applies to Article 2-A. It is the source and authority for all other laws including constitution and also it lays down the rule of validity for all laws, therefore it must have preeminent and paramount status. This is necessary also because as we have proved earlier in this article that if we do not accept this position, we are inextricably lost in the morass of confusion and absurd consequences in the actual working of the Constitution.

The court has heavily relied on an extract from Brindra's authoritative treatise on interpretation of statutes. The extract is so important that it is worth reproducing in full:

"A constitutional provision is self executing if it supplies a sufficient rule by means of which the right which it grants may be enjoyed and protected, or duty it imposes may be forced without the aid of a legislative enactment. It is within the power of those who adopt a constitution to make some of its provisions self-executing, with the object of putting it beyond the powers of legislature to render such provisions nugatory by refusing to pass laws to carry them into effect. Where the matter with which a given section of the constitution deals is divisible, one clause thereof may be self executing and another clause may not be self executing. Constitutional provisions are self executing where there is

Whatever violates it is ipso facto, abinitio, void and a nullity, and all organs of State including judiciary is bound to treat it as void and nullity. It may be noted that repugnancy is a negative formulation, it says if a particular provisions has certain elements and features, it is not law. On the other hand, the rule of validity is a positive formulation. It says if a particular provision has certain elements and features, it is law. The rule of validity is of general application. Each and every legal provision must conform to it if it is to be valid law. The rule of repugnancy by its very nature is not so general. Of necessity its applicability has to be confined to a limited number of provision only that are found repugnant. A further difference is that the effect of repugnancy rule is prospective only and not ab-initio. In view of this analysis it is obvious that for the enforceability of Article 2-A, neither any ancillary or supplemental legislation nor any repugnancy clause is needed. Similarly it is unnecessary to designate specifically any individual authority or institution for the application of this test for clearly the determination of validity falls in the province and purview of the judicial organ of the State.

In our discussion related to non-amendability of certain constitutional provisions and the application of Heyden's rule it was established that in certain cases, the contents and subject matter of legal provisions itself without any express words can provide indication for superior weight and status. This proposition is further borne out by the following fact. We know that provisions relating to fundamental rights in Chapter 2 of para 1 of the Constitution have superior effect over all other legal provisions and this is ensured by Article 8 of the Constitution. It is also clear that injunctions of Islam have superior effect due to Article 203 D read with Article 203 A. Similarly we know that Federal Law which includes constitution also because it is also a kind of Federal Statute has superior effect over all provincial laws and this is ensured by Article 143 of the Constitution. Now the question arises that what will happen when there is a conflict between

its judgment in Hakim Khan's case has itself recognised the fact [24]that, all the three limbs of the State can exercise delegated functions of the divine sovereignty within their respective spheres. Obviously this derivation of authority from the divine sovereign is based on Article 2-A. But taken in this form this Statement having been selectively pulled out of its context represents a dangerously misleading half-truth which has caused the whole confusion. The Supreme Court has quite inexplicably omitted to mention the conditions and limits which are integrally and inseparably related as essential requirement to the exercise of above mentioned functions in every sphere. According to Article 2-A the exercise of these functions, in fact anything done by anybody in the State of Pakistan must be subject to conditions contained in Article 2-A and their validity has to be tested on the basis of these limits and conditions. This is the stage where it is appropriate to come back again to the judgment of the Supreme Court in Hakim Khan's case. In that case the Supreme Court has raised the objection that Article 2-A is not self-executory. In order to make it enforceable suitable supplemental or ancillary relegislation is essential. Furthermore the court has objected that no where in the constitution a test of repugnancy has been laid down that could enable the court to declare laws, action and decision as void.

All these objections disappear and loose force when we recognise that Article 2-A provides something better and more fundamental than what the courts expect of it. Instead of the test of repugnancy it provides a general rule of validity for all laws actions and decisions in that it requires that all these in order to be valid must conform to limits and conditions laid down by Article 2-A. The impact of Article 2-A is direct and operates at the very source and inception.

---

24 P.L.D. 1992 S.C 595 at 619 para marked "F" See at p. 619 para "G" too, where after quoting a passage from Maulana Amin Ahsan Islahi's "Taddabar-ur-Quran", the conclusion has been drawn that "this shows that judiciary too can exercise delegated divine function".

either deal with the question of powers or the question of rights and obligations. Therefore it is true to say that Article 2-A stands apart as a distinct provision from anything else in the constitution. As soon as we keep this aspect of Article 2-A in mind at once every thing falls in proper perspective and true understanding of the whole matter becomes a simple affair. It is evident that all powers derive their origin and force from some authority. As such, they presuppose some authority without which they are meaningless. Similarly rights and obligations need some authority to sanction, guarantee, and enforce them. As such the question of powers, right, and obligations is subsidiary and secondary to the question of authority. The language of Article 2-A itself leaves no doubt that the authority contemplated by it is not merely notional or theoretical. It is meant to be given effect to in the manner and extent and subject to limits and conditions mentioned in Article 2-A.

Now this kind of authority to which all powers, rights and obligations owe their existence in a State, is evidently matter of supreme and unrivalled significance. If the exercise of this authority is made subject to limits and conditions, then these limits and conditions become applicable by the very nature of things to each and every thing that pertains to the State in which this authority is reposed. Thus all powers, rights and obligations are inevitably subject to limits and conditions placed on the exercise of this authority. It is true to say, therefore, that whenever any right or power of obligation transgresses or contravenes the above mentioned limits and conditions, they are cut-off from the very source of their validity and existence. As such we cannot escape the conclusion that the limits and conditions of authority mentioned in Article 2-A constitute a general rule of validity that the authority delegated by the divine sovereign to the Islamic Republic of Pakistan must be exercised in accordance with divine commands.

It is interesting to note here that the Supreme Court in

recognised and approved somewhat similar interpretation of objectives resolution. Therein after quoting the clause-I of the objectives resolution in full, the Supreme Court nas asserted that "The above declaration epitomises the belief of every Muslim regarding the true nature of the polity with regard to the extent of power exercisable by them in their State as also the mode in which these powers shall be exercised". In other words objectives resolution determines the extent and mode of power that can be exercised by any one in the polity that is Pakistan within the limits prescribed by Allah. This lays down the limit of authority. In general philosophical terms it may be remembered here in passing, that the approach to law and State apitomised in Article 2-A is not without precedent or rationale in the history of Western thought. The State according to Hegal is a corporate organic existence. It has a personality by its own right and through it reason is manifested as the collective folk-spirit (Universal Will) and where the subjective individual wills are merged and identified. Sovereignty therefore belongs to the State and not the people. The State is called and designed to fill a mission of culture, and it is meant to serve a definite cultural ideal. In the case of Pakistan, the mission for State is not merely to serve any cultural ideal but to serve ideals, values and system of Islam.

Article 2-A is a self-subsistent, self-contained and exhaustive provision, because it says, whatever could be said on the question of authority. This is evident from the fact that it designates the source of authority, the modality of the constitution of this authority, the limits and conditions of its exercise. This kind of exhaustiveness itself be speaks that this provision was meant to be applied practically. I have already explained at great length and detail above that Article 2-A is not and could not be merely declaratory in nature. Furthermore a careful study of the constitution as a whole, would reveal that Article 2-A is the only substantive constitutional provision that defines the authority and mode of its coming into being from which every thing else in the constitution is derived. All other constitutional provisi

and get combined operation. The consequence is that this fact alone would put Article 2 - A in a paramount position because this combined operation will have application on the entire spectrum of executive and legislative powers.

ARTICLE 2-A DEALS WITH QUESTION OF AUTHORITY:

Constitutions represent the consensus and commitment of a nation regarding its ideals and aspirations which keeping in mind history, culture and peculiarities its ideals and aspirations which keeping in mind history, culture and peculiarities of socioeconomic evolution of that nation are meant to give form to its different institutions and shape its life in general. Pakistan is the first State in modern times which was created with the openly declared purpose that therein Islam injunctions would be implemented. Thus creation of Pakistan was a unique event and it is only natural that this consequence be reflected in a constitution also. Perhaps the only provision that is significant from this point of view is Article 2-A. Article 2-A possesses many unique features which are not found in the constitution of any other country. The first unique feature is that it declares that sovereignty belongs to Almighty Allah alone. Thus it rejects the generally held modern view that sovereignty belongs to people. Second feature is that the state of Pakistan is not regarded sovereign or delegated sovereign, only authority is delegated to it by Almighty Allah. Furthermore Article 2-A provides for mode (or means) of delegation of authority to the state of Pakistan, i.e. through chosen representatives of the people. After this 1 Article 2-A lays down two conditions for the exercise of the authority. First condition is that the authority shall be exercised as a sacred trust. This condition is meant to dispel arbitrariness and ensure due process of law. Second condition is that the authority shall be exercised within limits prescribed by Allah. All authority is thus made conditional. It is a matter of unusual significance that even in [23]Hakim Khan's case itself, the Supreme Court has

This indicates the fact that the two provisions bear an integral relationship. This is all the more strongly reinforced when we find that the two provisions are coextensive also having the same object in view. All the above-mentioned oaths contain the following undertaking; "that I will strive to preserve the Islamic Ideology which is the basis for the creation of Pakistan". It is obvious that this covers absolutely the same ground with the same object as the requirements of in Article 2 - A that all authority will be exercised as a sacred trust" within the limits prescribed by Allah".

This being the case, there is no doubt that if Article 45 and Article 2 - A are repugnant any action taken by the President under Article 45 would be at the same time repugnant to his oath under Schedule 3. In these circumstances, the result is that if action under Article 45 is taken and left undisturbed, it would involve not only the violation of Article 2 - A but also the violation of the oath of persons authorised to take action in this behalf. Furthermore, as it happens all the legislatures of every description in this country also similarly undertake by their oaths to "strive to preserve the ideology of Islam which is the basis of creation of Pakistan". Therefore, they also cannot be presumed to intend the violation of their oaths as well as the violation of Article 2 - A of the constitution. To allow such a presumption would be absolutely fantastic and totally subversive of the legislative and executive institutions of the State. This would mean that responsible people and leaders of the nation who are delegatees of the divine sovereign according to the constitution and who are the exercise authority on Allah Almighty's behalf as a scared trust can play ducks and drakes with their respective oaths, although authority is vested in them by virtue of these very oaths.

The only conclusion that follows from the above analysis is that since Article 2 - A and the new forms of oaths under schedule 3 are co-extensive and co-instanti having same object in view, the two provisions must reinforce each other

not necessarily needed to indicate their superiority. The combined effect of these two conclusions is that provision like Article 2 - A due to extraordinary nature of its contents must be given a paramount status and overriding legal potency. In this context still further strength may be drawn from a statement of law contained in Vol.[16] of the corpus juris secundum. According to it, we must keep in mind the main purpose sought to be accomplished by the Constitution and to so construe the same as to effectuate rather than destroy that purpose. The main purpose of the adoption of constitution in Pakistan is undoubtedly the implementation of Islamic injunctions and ideology and this is a permanent and inviolable obligation. This is further supported by an observation of Justice A.S Salam in his judgment in [22]Hakim Khan's case itself which contained the pith of the matter. It is stated therein, "A constitution is an organic whole. All its articles have to be interpreted in a manner that its soul or spirit is given effect to by harmonising various provisions". In other words according to A.S Salam J. giving effect to the soul or spirit of the constitution is the most important consideration. This is the main purpose contemplated by Corpus Juris Secondom. There can be no doubt that Article 2 - A is the soul and spirit of our constitution and therefore deserves higher regard.

VIOLATION OF ARTICLE 2-A INVOLVES VIOLATION OF DIFFERENT OATHS UNDER SCHEDULE 3 OF THE CONSTITUTION:

It is interesting to note that Article 2 - A and new form of oath for legislators of every description and chief repositories of the executive powers of the State were introduced into the constitution on the same day by means of the same piece of legislation i.e. P.O.14 of 1985. Thus the two provisions are coeval and co-instanti and as will be shown they are co-extensive also.

---

22 P.L.D. 1992 S.C. 595 at 636 para marked "p"lines 4 to 6.

representing the final view of the Supreme Court of Pakistan. The mischief was that though this finding was technically unexceptionable yet it did not reflect the over-powering and consistent consensus representing the "Ijma" of Islamic Ummah of Pakistan. Originally there may have been some reason for countenancing this defect due to resistance of the vocal non-Muslim representation most of which came from East Pakistan or due to the fact that it was considered in the fitness of things to wait for appropriate time when the Pakistani society would have reached a suitable stage of evolution. Nonetheless it is significant that this defect had gone totally unnoticed until the verdict in Zia-ur-Rehman's case. It can be seen from the later judgment in Nusrat Bhutto's case even the Supreme Court continued to believe notwithstanding its verdict in Zia-ur-Rehman's case that Pakistan is an ideological state and that the ideology of Pakistan is firmly rooted in objectives resolution with an emphasis on Islamic Laws and concept of morality.

In this background it is evident that verdict in Zia-ur-Rehman's case led to retrogressive consequences. In fact as we have pointed out even objectives resolution in the words of Liaqat Ali Khan have been adopted as a first step towards implementation of Islamic Ideology and injunctions in Pakistan. This was the situation which brought to fore the mischief or defect in the mode of drafting of the constitution. It, therefore, urgently called for a remedy which was provided in the form of Article 2 - A. The reason for remedy was that all obstacles in the way of implementing the original urge and consensus that was the basis and raison-detre of Pakistan should be removed.

In this view of the matter it is altogether unwarranted to conclude that insertion of Article 2 - A was an exercise in futility and that it was meant to achieve no practical effect, change, or purpose. We have already shown that legal provisions can derive their weight and status from their contents and subject matter also and that express words are

In circumstances, where a particular provision covers the same ground with the same object the principle becomes all the more applicable. This aspect of the matter has already been discussed and explained in the article at page 37. The upshot is that Article 2 - A became a constitutional provision in 1985 which is much later than Article 45, or provisions of Chapter 3.A or most of other constitutional provisions found place in the constitution. As such Article 2 - A is entitled to weight and priority on the principle outlined and explained above also.

RULE OF HEYDEN'S CASE:

Laws derive their significance and meaning from the context, the purposes, and circumstances which necessitated them and became the reason of their origin. Extremely relevant in this behalf is the principle that was laid down in an ancient case called [20]Heyden's case (1584)3. Co Rep 7b. This principle in modern times was quoted with approval and relied upon by Lord Denning in [21]Seaford Court Estates Ltd.V. Asher (1949) 2.K.B.481. This principle the courts should direct meticulous and careful attention to the following four things:-

1. What was the common law before the making of the Act?
2. What was the mischief or defect for which the common law did not provide?
3. What remedy the parliament hath resolved and appointed to cure the disease of the commonwealth?
4. The true reason of the remedy?

Applying this principle to question in present reference we find that immediately before the insertion of Article 2 - A into the constitution the verdict in Zia-ur-Rehman case was the authoritative understanding of the constitution

---

20 Heyden's Case. (1584)3.Co.Rep 7b.

21 Seaford Court Estates. V.Asher. (1949)2. K.B.481.

historian and thinker of modern times, [18]Arnold Toynbee, that, "there is no hope for modern civilization unless the entire super-structure of the secular is put back firmly on religious foundation".

ARTICLE 2 - A AS A SUBSEQUENT PROVISION:

While interpreting and enforcing the law the courts are often confronted with a situation of conflict between two or more provisions of different statutes. In the situation under discussion, there is a situation of conflict between two or more provisions of the same statute i.e. the Constitution of Pakistan. What is the court to do in a situation like this? The fact is that it is the duty of the courts to decide the law which applies to a given situation and to discover and discern the course prescribed by law. Now it is universally accepted that while interpreting the law, the main and all important consideration before the court is ascertainment of the intention of legislature. Another important principle is that while enacting a particular provision as law, the legislature is presumed to have kept in mind all other provisions of law that already exist and bear on the same subject. Therefore the last provision of law in point of time is taken to be the latest expression of legislative intention and will. This is the philosophy and rationale behind the principle that later law is presumed to have repealed or modified the earlier law by implication. Following statement is an illuminating exposition of the subject in hand and is contained in an English [19]authority. It reads "Every Act is made either for the purpose of making a change in law, or for the purpose of better declaring the law and its operation is not to be impeded by the mere fact that it is inconsistent with some previous enactment". In other words the principle that should govern in this situation is later law prevails over the earlier law; Legis posteriores, priorus contrarius abrogant.

---

18 Arnold Toynbee, "Civilisation on Trial" Page 39.

19 [1932] I.K.B.733.

chooser, whether for instance he favours capitalism or socialism, religion or secularism or whether his general attitude is idealist or positivist. The school of thought which was most concerned with the shunning of ideology was positivism of Austin and Bentham. Law according to them is command depending not on reason but on authority. Its validity according to them is in no way dependent on morality or theology. Yet to make such a system tolerable and humane, many principles, such as (aequm et bonum) equitable and the good have to be employed to distil or infuse moral content in the legal order.

How difficult it is to avoid ideology may be seen from the fact that even beneath most narrowly technical rules there might lurk deeply held social and political philosophy. For instance, take the very innocent looking doctrine of "caveat emptor" (مشتری ہوشیار باش) the rule that it is for the purchaser to take the risk whether he has made a good or bad bargain. It is certainly not mere legalistic technicality but involves the whole philosophy of laisser faire, which has played such an influential part in the classical theory both of the common law and the civil law of property and contract.

In this frame of reference, the real function of Article 2 - A can now be properly understood. Instead of leaving it to the individual whims and inconsistent application of different and at time heterogeneous ideologies, Article 2 - A ensure that one ideology is consistently and consciously applied to the entire fabric of nation's life, which happens to be the ideology for which this country was brought into being. This can only be done by it having a pre-eminent position in the constitutional scheme. Furthermore the only way to do so is to make ideology a general rule of validity. In a state which is ideological both in idea and fact everything has to be guided and controlled by values and injunctions derived from ideology and all its decisions have to be made with reference to it. Later in this article it will be shown that Article 2 - A is aimed at performing precisely this function. This is also in line with the conclusion drawn by a great

Article 2 - A, it will appear that the legislature itself conferred overwhelming position on the Law of Allah and made man-made law subordinate to it. If that be so, can any judge refuse to follow that position, as he is under oath to preserve, protect and defend the constitution? If the Article 2 - A is effective and enforceable, the sovereignty belongs not to the people or the parliament but Allah, Can then Article 2 - A be violated, defied or defeated? It must be appreciated that Article 270 - A does equalise all the Articles of the constitution as regards their existence and enforceability and insists that they all being valid will co-exist with each other but with their own weight and importance. In that situation the application of Article 268 (6) will pose no problem". With incisive insight the High Court has explained that in a sense there is an equality between all Articles of the Constitution, because all of them have been made a part of the constitution and declared enforceable. But there is an all-important distinction, in that although and articles being valid co-exist with each other, they do so with their own weight and importance. Therefore, if the objectives Resolution has been embodied in the constitution as Article 2 - A, it has come with its own pervasive and overwhelming weight and importance.

In deed Article 2 - A is superior not only to other constitutional provisions that are amendable, but in fact to all other constitutional provisions. As explained above Article 2 - A represents a third step in the history of our legal evolution, whereby a conscious decision had been taken to enforce and implement the ideology of Islam. This was dictated not only by the logic of creation of Pakistan but also the realisation that is impossible to avoid ideology of some kind. To have no ideology is to be without rudder and compass in the sea of life. Law in action is an integral whole of three dimensions of ideas, facts and values. Law in action cannot be (in weber's language) wertfrei or neutral by avoiding evaluation. Law involves choice, and choices will inevitably be influenced by the ideology or attitude of the

the Objectives Resolution. Significantly these two things, insertion of Article 2 - A and laying down of the new form of oaths was done on the same day through the same act of legislation i.e. P.O.14 of 1985 which was adopted by the parliament through Constitution (8th Amendment) Act, 1985. the major change introduced by Article 2 - A is that it has brought the Ideology contained in the objectives resolution to the full potency which inherently belongs to it. Prior to this, it had been given only declaratory recognition. Secondly it has made laws previously excluded subject to judicial review on the basis of Quran and Sunnah. Thirdly it has been made effective as a positive over-riding law, the general rule of validity which is contained in the Objectives Resolution. This last point will be explained at length later in this article.

From the analysis given above it is clear that Article 2 - A is an irreversible step dictated by the logic of the creation of Pakistan and also in the direction indicated and envisaged from the very beginning. It embodies values, norms and principles without which it is impossible to conceive of any ideology of Pakistan. Perhaps, these are even more vital for Pakistan than liberty of the individual is to countries espousing liberal philosophy. In this view of the matter Article 2 - A eminently qualifies to be non-amendable on the criterion laid down by Indian Supreme Court and also recognized by Pakistan's higher judiciary. Now the stage is set to ask the question, can Article 2 - A which is non-amendable be equal in weight and status to other constitutional provisions which do not satisfy the criterion of non-amendability? In view of the analysis given above there is hardly any doubt what the answer should be. In this regard the conclusion reached by Lahore High Court is unexceptionable. It states the Kernel of the matter with remarkable perspicacity, terseness and at the same time comprehensively. The Lahore High Court through judgment written by Sheikh Riaz Ahmed, J and Malik Muhammad Qayyum, J. has thus spelt out its conclusion. "If we look at

observations of the Supreme Court in Nusrat Bhutto's case quoted above lend firm authority to this view. On ontological level, this aspect of the matter is of primary importance and purely formal legality has secondary status. This is because Ideology both preceded and also engendered the state of Pakistan and the constitution recognizes this fact. To take up the metaphor used somewhere above, Ideology particularly in an ideological state is the living Spirit, and state is just a mere body animated and enlivened by it.

To discover truth one must see things in their true perspective. Therefore in this connection. I would request that a particular attention be focussed on the following words of Khan Liaqat Ali Khan which he addressed to the First Constituent Assembly at the historic moment when Objectives Resolution was passed. He said, "The Objectives resolution is the first step in the direction of the creation of an environment which will again awaken the nation". He obviously meant that the Objectives Resolution is the first step towards Islamic renaissance in Pakistan. This was unavoidable because the Islamic injunctions for centuries had existed only as an ideal rather than as code in actual practice as a law of any country. There was a backlog of centuries and therefore Islamization could not be accomplished in one go. I will submit that establishment of the Shariat Courts by P.O.No. 3 of 1979 which could test all laws barring some specifically excluded from their jurisdiction on the touchstone of the Quran and Sunnah of the Holy Prophet, represented the second step in the direction defined by the objectives resolution. In the same perspective we must see the insertion of Article 2 - A into the constitution and new form of oaths in the third Schedule by which all legislators of every description and the chief repositories of the executive power of the state of Pakistan undertake to uphold not only the constitution but also over and above this the Ideology of Islam which is the basis of creation of Pakistan. This an my submission represented the third step in the pre-ordained vital direction envisaged by

THE ROLE OF JUDICIARY AND THE OBJECTIVES RESOLUTION

By Sardar Sher Alam Khan, Advocate, Lahore

(Part II)

As we already know that Article 2 - A was incorporated only in order to make the objectives Resolution a substantive part of the constitution and thus remove the technical flaw pointed out by Supreme Court in Zia-ur-Rehman's case. There has never been any doubt at any stage that the objectives resolution represented an authoritative goal defining commitment that articulated ideals and aspirations of Islamic Ummah in Indian environment which must be translated into concrete reality in any future dispensation of Pakistan. Nor can there be any doubt that Pakistan is an Ideological state, which is abundantly borne out by the historical background and the very scheme and general tenor of the Constitution as outlined above. It is also borne out by the following words of justice Malik Muhammad Akram which he wrote in his judgment in [17]Nusrat Bhutto case while concurring with Chief Justice Anwar-ul-Haq "Moreover, as observed by my Lord, the Chief Justice ours in an Ideological Republic of Pakistan. Its Ideology is firmly rooted in the Objectives Resolution with emphasis on Islamic Laws and concept of morality". What merits particular attention is the fact that this statement was spelt out in 1977, four years after the verdict of Supreme Court in Zia-ur-Rehman case and also the fact that this was done much before insertion of Article 2 - A in the Constitution in 1985. Together these two facts go to show that the objection of the Supreme Court in Zia-ur-Rehman case was purely technical. It had left undisturbed the fundamental ideological and socio-political reality underlying the State of Pakistan on the level of firm consensus and "Ijma" of the nation as a whole. The

17 P.L.D. 1977 S.C. 657 at 733

Domestic or International
Any Destination Any Airline

مقصد عمرے کی سعادت ہو یا حصول تعلیم سیر و سیاحت ہو یا تجارت ہم اپنے کرم فرماؤں
کو اندرون ملک اور بیرون ملک ہوائی سفر کیلئے ٹکٹ اور دوسری سہولتیں بحسن خوبی فراہم کرتے ہیں

عُمرہ کی سعادت

حاصل کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں

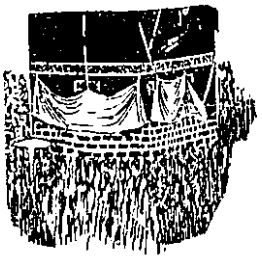

OVERSEAS TRAVEL SERVICE (PVT.) LTD.

7-Bridge Shopping Centre
Main Clifton Road,
Near Clifton Bridge,
Karachi-Pakistan.
Cable : "BONJOUR"

Govt. Licence No. 1395
Tel. : 514010-518514-510712-519130
515370
Fax No. : 92-21-516266
Mobile Tel. No. : 0321-330185

CONTACT :

ALTAF AHMED ALLAWALA
NADEEM ALTAF ALLAWALA
WASEEM ALTAF ALLAWALA

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG. NO. L. 7360
VOL. 43 NO. 2
FEB. 1994

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوہر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوہر جوشاندہ
استعمال کریں۔

قرشی

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج

Interflow